

سوانح  
محبوب الہی  
حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

سوانح حیات، صفات و کمالات، تجدیدی و اصلاحی  
کارنامے، تلامذہ و مستر شدین کا تذکرہ و تعارف

از  
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی  
ناشر  
نشی اشیس احمد غفرلہ  
ادارہ اشاعت دینیات (رجسٹرڈ)  
حضرت نظام الدین ”نئی دہلی ۱۹۰۳ (انڈیا)

نام کتاب	سوانح محبوب اللہ حضرت نظام الدین اولیاء
پہلا ایڈیشن	۱۹۸۶ء مطابق ۱۴۰۶ھ
کاتب	اختر زمان چمپارنی
طباعت	گلوب آفیس پر طرح جامی سعید دہلوی
صفحات	۲۰۰ تقریباً
قیمت	بڑے روپے

اردو ایڈیشن  
بایہتمام محمد انس میخرا دارہ

بیسی میں ہماری براق خ جہاں سے یہ کتاب مل سکتی ہے۔

ادارہ اشاعت و نیتیات ۳۶ محمد علی روڈ بیسی ۳۰۰۰...  
(انڈیا)

دہلی ٹیلیفون: ۶۹۲۶۶۸ - ۶۱۷۱۷۲  
بیسی ٹیلیفون:

## فہرست مصنایف

صفحہ	مصنون	صفحہ	مصنون
۲۰	خطیرو مقامات اور اس کا کفایہ		باب اول
"	حدیث کی اجازت	"	کچھ کتاب کے بارے میں
۲۱	عقل کی بے چینی اور انجداب	۹	حرفت آنکار
	الی اللہ	۱۳	حالات و کمالات
۲۲	والدہ صاحبہ کا انتقال	"	نام و نسب
۲۳	والدہ کی یاد	۱۷	ابتدائی تعلیم و تربیت
۲۴	والدہ کا یقین و توکل	۱۵	نقرو فاقہ اور والدہ کی
۲۵	ایک تننائے خام	"	تربیت
"	ادب و حسن کی پہلی جائزی	۱۴	شیعہ نجیر سے مناسبت
۲۶	طالب یا مطلوب؟	"	او ر قلبی کشش
"	مرید کی خاطر	۱۲	دریں کا سفر
۱۴	بیعت	"	دریں میں طالب علمی
"	سلسلہ تعلیم کا اجراء	۱۸	استاد کے محبوب
"	یا انقلاب؟	۱۹	علمی امتیاز و تفوق

صفو	مضنون	صفو	مضنون
۵۰	بیداری پر پہلا سوال	۶۵	شیخ بکیر سے درس
"	و نیا سے تغفار اور بذل و عطا	"	درس کی لذت
۵۱	زمین و جامد اور سے پر تجزیہ	"	خود شکنی کی تربیت
"	فقیر کاشا ہی دستِ خوان	۳۰	فیصلہ کن موقع
۵۳	شیخ کی غذا	۳۲	ایک رفیق کی طامت
۵۵	ترتیب	۳۲	کتنے بار حاضری ہوتی ہے
"	سلطین عہد سے بے تلقی	"	شیخ کی نوازشیں
۵۸	سلطان علام الدین کا امتحان	۳۵	رخصت اور وصیت
	او رعیدت	"	ایک دعا کی درخواست
۵۹	پادشاہ کے آنے سے	۳۶	اجودھن سے دہلی کو
	معدرت	۳۸	تصفیہ حقوق
"	گھر کے ڈو دروازے	۴۰	دہلی کی قیام گاہیں۔
۴۰	عجم اسلام	۴۲	فرقہ فاقہ
۴۲	سلطان قطب الدین کی	۴۳	غیر کے واسطہ کے بغیر
	من الافت اور اس کا قتل	۴۴	شیخ بکیر کی وفات
۴۴	غیبی لنگر	۴۵	عیاث پور کا قیام
۴۶	غیاث الدین تعلق کا عہد	۴۶	رجوع عام
	او رکاری مجلس مناظرہ	۴۹	فقیر منعم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۸	دشمن نوازی	۸۱	مجلس مناظرہ کا حال حضرت
۹۲	پروردہ پوشی و نکتہ نوازی		خواجہ کی زبان سے
"	شفقت و تلقن	۸۳	دلہی کی تباہی
۹۵	غنو اسی عام	۸۷	نظام الاوقات
۹۶	چھوٹوں پر شفقت	"	ایم خسرو کی خصوصیت
۱۰۰	باب سوم	۸۴	شب کی تیاری
"	ادوات و کیفیات	"	سمسری
"	محبت و ذوق	"	صحیح کے وقت
۱۰۳	سماں	"	دن میں
۱۰۸	مزامیر سے لفڑت و مالحت	۸۵	دلداری و تربیت
۱۰۹	سماں میں آپ کی کیفیت	"	قرب سفر
۱۱۲	ذوق قرآن	۸۹	خلافتے بخار کو اجازت ناہی
۱۱۷	شیخ سے تلقن		اور ان کی محبت و موالقات
۱۱۵	جماعت کا اہتمام اور	۸۰	وفات کا حال
	بلند ترقی	۸۶	باب دوہم
۱۱۷	شریعت کی پابندی اور	"	اخلاق و صفات
	اتباع سنت کا اہتمام	"	جامع اوصاف
۱۱۸	باب چہارم	۸۵	خلاص

صفو	مصنون	صفو	مصنون
۱۳۹	عموم بیعت کی حکمت	۱۱۰	افادات و تحقیقات
۱۴۰	عمومی زندگی پر اثر	"	علمی پایہ
۱۴۱	عشق کار و ز بازار	"	علمی و ادبی مناسبت
۱۴۲	خلفاء کی تربیت	۱۱۹	حدیث و فقر پر نظر
۱۴۳	چشتی خالقابیں۔	۱۲۲	اہمیت علم
۱۴۴	مریدین با اختصاص	۱۲۳	بلند علوم مصائب
۱۴۵	باب ششم	۱۲۴	علوم صحیح و شرعیہ
۱۴۶	حضرت خواجہ کی تعلیم و تربیت کے اثرات	۱۲۵	حلال مانع راو خدابنیں
۱۴۷	آپ کے خلفاء کی دینی و اصلاحی	۱۲۶	قلب متوجہ الی اللہ کے بعدکوئی چیز مضر نہیں۔
۱۴۸	خدمات سلاطین وقت سے بے رعنی اور حقیقت کے نہونے	۱۲۷	ترک دنیا کی حقیقت
۱۴۹	اسلامی سلطنت کی رہنمائی و نگرانی	۱۲۸	طاعت لازم و تقدی
۱۵۰	اشاعت اسلام	۱۲۹	کشف و کرامات جبار راه
۱۵۱	خدمت و اشاعت علم	۱۳۰	علوم انبیاء و اولیاء
۱۵۲	خاتمه کلام	۱۳۱	دنیا کی محبت و عداوت
۱۵۳		۱۳۲	مراتب نلاؤت قرآن
۱۵۴		۱۳۳	باب پنجم
۱۵۵		۱۳۴	فیوض و برکات
۱۵۶		۱۳۵	تجدد ایمان و توبہ عام
۱۵۷		۱۳۶	بیعت ایک عہد و معاہدہ

## کچھ کتاب کے بارے میں

ہمارا اکتب خانہ، ادارہ اشاعت دینیات "الیسی جگہ واقع ہوا ہے جس کے سامنے سے ہند اور بیرون ہند کے لوگ حضرت محبوب الہی نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کی زیارت کیلئے سامنے سے گزرتے ہیں اور تحریک تبلیغ کے مرکز و سرچشمہ رفیع دہمایت حاصل کرنے والے احباب تو بالکل سامنے ہی ٹھہرتے ہیں۔ اس لئے ہر آنے والے کو جستجو ہوتی ہے کہ اتنی بڑی شخصیت کے حالات اور کارنامے اور ان کی دعوت و تبلیغ کے بنیادی کام کام طالعہ کریں جنہوں نے اسلام کی بنیادوں کو نہ صرف یہ کہ مصبوط و مستحکم کیا بلکہ ان کے خلفاء و مریدین اور معتقدین کے ذریعہ ہند و بیرون ہند میں احیا اسلام کے نقشے قائم کئے اور عشقِ الہی اور محبتِ بنوی کی آگ سے سینوں کو گرم رکایا۔

ہمارے آدمی روزانہ صبح سے شام تک ان کے اس سوال کا جواب فتنی میں دیتے دیتے شرمندہ ہوتے تھے کہ الیسی کوئی مستند کتاب ہمارے استاک کے لاکھوں کتابوں کے ذخیرہ میں نہیں ہے جس سے کسی کتاب پچھے کے ذریعہ کم پیسوں اور کم وقت میں اپنے دل کی پیاس بجھا سکیں۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مظلہ العالی کو اللہ تعالیٰ جزاً سے خیر عطا فرماتے اور ان سے دین کی خدمت کا بہت کام لے کہ انھوں نے اپنی تصنیف تاریخ دعوت و عزیمت کی پانچ جلدیوں میں مجددین عظام کے تجدیدی کارناموں کی مستند تاریخ مرتب فرمائی جو ہند و بیرون ہند میں مقبول عام ہے۔ اور جس کا انگریزی ترجمہ بھی عالم اسلام میں شہرت مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔

اس کتاب کی تیسرا صفحہ جلد میں حضرت نبوب الہی کے حالات، نہاد، سوانح حیات اور تجدیدی کارنا سے ٹبری تفصیل سے جمع کئے ہیں۔ جو ان کے اس بھرپور حفار میں ایک آپدار موتی کی جیشیت رکھتے تھے۔ جس کو حاصل کر کے مطاعد کرنا مشکل ترین امر تھا خصوصاً ان لوگوں کے لئے جو کم وقت میں اور کم پیسوں میں یہ علمی ذخیرہ حاصل کر سکیں۔

لہذا ان کے مظا میں کا یہ مجموعہ ان کی اجازت حکم سے اللگ کھتا بی مشکل میں بہترین کتابت اور عمده طباعت کے ساتھ شائع کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ احتراق کارہ کو اور ادارہ کے جملہ خدام و معاونین کو اخلاص کامل اور نجات اخروی کا وسیلہ بنائے۔ امین

احترامیں احمد عفراء، ادارہ اشتاعت دینیات

(۲۷ جولائی ۱۹۸۶ء) حضرت نظام الدینؒ نقی دہلی ع۳۴

## حروف آغاز

کتاب کے آغاز میں حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی فرماتے ہیں۔ کتاب کی ترتیب و تصنیف میں راہ کی پچھہ دشواریاں تھیں۔ ہندوستان کے اولیا تے کرام و داعیاء اسلام اور مشائخ عظام کے تذکرہ میں بے شمار کتابیں تکھی گئیں ان میں بڑی بڑی تصنیفات بھی ہیں لیکن جب اس عصر کا کوئی مصنف ان کے ایسے حالات جمع کرنے کیلئے بیٹھتا ہے جن سے ان کے اصل کمالات، ان کی دینی و تبلیغی مسامعی ان کی تعلیم و تربیت کے نتائج ان کے مزاج و مذاق پر روشنی پڑے اور اس زمانہ کے لوگوں کے لئے سبق آموز شوق انگلیز اور بہت آفریں ہوں اور یہ حیثیت ایک جلیل القدر اور کامل انسان کے ان کے حالات منتظرِ عام پر آئیں اور ان کی سوانح کا صفحہ ڈھانچہ سامنے آجائے تو اس کو سخت مایوسی اور پرلیٹانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے بعض اوقات صد مصخّمات کی ایک کتاب سے بلکہ منتقد کتابوں کی

مدد سے بھی ایک صفحہ کے بقدر مواد حاصل نہیں ہوتا۔  
پوری پوری کتاب خوارق و کرامات نجیر العقول و افتقات  
اور عجائب انبات سے بھری ہوتی ہے۔ اور ضروری معلومات کا  
افضول ناک فقدر ان نظر آتا ہے۔ ہندوستان کے ایک بڑے  
مورخ (مولانا کے والد محترم رحمۃ اللہ علیہ) کے الفاظ میں اس صورت  
حال کا شکوہ سنئے۔

”ملک کی بد ذوقی دیکھئے کہ ابتداء سے اب تک ہندوستان  
کی سیکڑوں تاریخیں تکھی گئیں اور مختلف عنوانوں  
سے تکھی گئیں۔ مگر ان میں سے کوئی کتاب تاریخ نویسی  
کے صحیح معیار برہنہیں اترتی جس کتاب کو اٹھا کر دیکھئے  
معلوم ہوتا ہے کہ رزم و بزم کا کوئی افناہ ہے فردا و  
کوئی کس کے ذکر سے اگر کوئی صفحہ خالی مل گیا۔  
تو چنگ و رباب کے ذکر سے اس کو آپ خالی نہ پائیں  
گے۔ اگر متفقی عبارتوں اور مستحب فقرتوں کے خارزار  
میں آپ کا دامن الجھ گیا تو یہ بھی ملنے کا نہیں۔ ایسی  
حالت میں کیا موقع ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے اسلاف  
کی علمی زندگی کی صحیح تصویر لیتے ناتمام مرقع میں پائیں  
گے۔ کچھ ان بزرگوں کے حالات میں کتابیں ملتی ہیں  
جو کسی سلسلہ طریقت کے ساتھ مربوط تھے۔ مگر اس

بدنداقی کا کچھ مکانہ ہے کہ آپ ان کتابوں سے ان کے  
نام و نسب، اشوفنا، تعلیم و تربیت، طریقہ ماند و بود  
اور علمی مشاغل کی نسبت تحقیق کرنا چاہیں تو ایک حرف نہ  
لے گا۔ مصنفوں کا سارا زور ان کے کشف و کرامات  
کے بیان کرنے پر صرف ہوتا ہے اور ان کو اس حد  
تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہ بُنی نوع  
السان کے ماوراء کوئی اور مرستی نظر آتے ہیں۔ وہ نہ  
کھاتے ہیں اپنے بُنی نہ سوتے ہیں ذا خصال العیں انسانی  
سے کوئی سروکار ہے۔ علمی مشاغل سے ان کو کوئی واسطہ  
ہے۔ ان کا صرف یہ کام ہے کہ وہ قانونِ قدرت کو  
ہمیشہ توڑتے رہیں اور موالیدِ ثلاثة اور عناصر اربعہ  
پر اپنی حکومت و خود مختاری کو کسی طرح قائم  
رکھیں یہ۔

مولانا علی میاں مظہر، فرماتے ہیں کہ اس انتخاب (سماجی)  
محبوبِ الہی کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ اسلام کی تاریخ دعوت  
و عزیمت میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ اور ہندوستان میں  
دجوں توہین صدی کے بعد سے عالم اسلام کا مرکز اعصاب اور احیاء۔

یادِ ایام (تاریخ بُجوات) ص ۵۹۹ از حکیم مولانا عبد الحیی رحمۃ اللہ علیہ

و تجدید کی تحریکوں کا منبع رہا ہے، اپنے روحانی و اصلاحی تحریک کی قیادت کی اور اپنے زادہ اور بعد کی انسلوں کو سب سے زیادہ متأثر کیا۔ سب کے نزدیک ایمان و یقین، عشق و محبت، درد و سوز، جذبہ اتباع سنت، عزیمت و علویہ محبت، ذوقِ دعوت و تبلیغ، اصلاح اعمال و اخلاق، دینی حکم و معارف اور بندرگوں کا اصل جوہر اور ان کی سوانح حیات کا اصل پیام ہے۔ راقم سطور نے سیرت سید احمد تھجید کے مقدمہ میں ایک شعر لکھا تھا جو صورت حال کی صحیح ترجیحانی کرتا ہے۔ اسی کا اعادہ یہاں بھی ملک مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ہم نے اپنے آشیانے کے لئے  
جو چھپے دل میں وہی سنکے لیئے  
ابوالحسن علی  
مرکزِ دعوت اصلاح و تبلیغ  
لکھنور

لے تھیں تاریخ دعوت و عزیمت جلد سوم ص ۱۵

# محبوب الہی

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ

## باب اول

## حالات و کمالات

**نام و نسب** محمد نام نظام الدین لقب و عرف عام، والد پاچہ  
کا نام احمد بن علی، سادات حسینی میں سے تھے  
نانہاں بھی سادات میں تھا۔ دادا خواجہ علی اور نانا خواجہ عرب دلوں  
ہم جد تھے اور دلوں بخارا سے آگر کچھ مدت لاہور رہے۔ وہاں  
سے بدایوں آئے۔

۴۳۶ھ میں بدایوں میں آپ کی ولادت ہوئی۔ بدایوں (قدیم)  
بداؤں ہشتر فارس اور سادات کا قبیم مسکن تھا۔ بہت سے سادات  
کرام اور مشائخ عظام نے امنان و خراسان سے آگر ہاں مکونت

---

لے صاحب سیر الادیا نے آپ کی عشرتیں کا حساب لگا کر اس سنگا تین کیا ہے ॥

اختیار کر لی تھی۔

## حضرت نظام الدین پانچ سال ابتدائی تعلیم و تربیت

کے شے کہ باپ کا سایہ سر سے  
امکھ گیا۔ والدہ ماجدہ نے جو اپنے وقت کی ایک بڑی صالح اور باغدا  
خاتون تھیں اس ڈری تیم کی پیدوارش اور دینی و اخلاقی تربیت کا دروانہ  
ہمت اور پدرانہ شفقت کے ساتھ انعام کیا۔ کتابیں بڑھنے کے قابل

سلہ بادوں رویل کھنڈ میں دریائے سوچ کے بائیں کنارے پر واقع ہے۔ اس  
زمانے میں بہت آباد اور پور و فی مقام تھا۔ اور دہلی کیلئے سرحدیا شہر کا کام دیتا  
تھا۔ چنانچہ بہرانی دہلی کے ایک دروازے کا نام دروازہ بہلوں تھا۔ (نہجۃ  
النوازل)

قلعہ بادوں کے موجودہ کھنڈ راس کی عظمت اور استحکام کا پتہ دے  
رسے ہیں۔ سلطنت میں سلطان محمد عوری کے جنرل قطب الدین ایک نے اسے  
فتح کیا اور اپنے غلام ملک شمس الدین ایمیش کو امیر بادوں مقرر کیا۔ ایمیش نے  
یہاں سلطنت میں ایک خوبصورت اور وسیع مسجد تعمیر کرائی جو اب بھی موجود  
ہے۔ اس مقام کی اہمیت کامزیہ ثبوت درکار ہو تو وہ اس سے ملتا ہے کہ دہلی  
کے دو بادشاہ ایمیش اور اس کا بیٹا کن الدین فیروز شاہ دلوں تخت تشییں سے  
پہنچ بادوں کا گورنر ہے چکے تھے۔ (الناسیکلوبیڈیا برٹانیکا بنیل بادوں منتقل  
از مقالات دینی علمی مولوی محمد شفیع صاحب ایم اے۔ (جلد اول ص ۲۰۰))

ہوتے تو مولانا اعلاء الدین اصولی کے سامنے زالہ نے تلمذ تھے کیا اور فقہ کی ابتدائی کتابوں تک ان سے تلقیم حاصل کی تو مولانا اعلاء الدین نے فرمایا کہ مولانا نظام الدین اب دستارِ فضیلت باندھو۔ والدہ صاحبہ سے آکر کہا کہ استاد نے دستار بندھی کا حکم فرمایا ہے۔ میں دستار کہاں سے لاوں؟ والدہ صاحبہ نے کہا۔ یا باخاطر جمع رکھو۔ میں اس کی تحریر کروں گی۔ چنانچہ روئی خردی کے اس کو کتنا یا اور بہت جلد پڑھتے تباہ کر کے دی۔ والدہ صاحبہ نے اس تقریب میں علماء و ملحدوں وقت کی دعوت کی۔ خواجہ علی مرید شیخ جلال الدین تبریزیؒ نے ایک بیانی باندھا اور حاضرین مجلس نے علم نافع اور نیکی کی دعا کی۔

### فقر و فاقہ اور والدہ کی تربیت شریف گھرانے سے اس چھوٹے سے

میں جو سایہ پدری سے محروم تھا فقر و فاقہ کوئی نئی بات نہیں حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ والدہ کا معمول تھا کہ جس روز ہمارے گھر پر کچھ

میں مولانا اعلاء الدین علی الاصولی شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے مریدین میں تھے اور اپنے شیخ کے نقش قدم پر اخفار حال کا بڑا اہتمام تھا۔ صبر و رضا کے ساتھ زندگی گزارتے تھے اور اوقات عزیز کو افادہ و عبادت میں مشغول تھا وہ رکھتے تھے۔ (نزہۃ النظر بکوالف وائد الفواد)

سراج المجالس ترجمہ خیر المجالس ص ۲۵۶) سے ایضاً (۴۶۹)

پیکانے کو نہ ہوتا تو فرمائیں کہ آج ہم خدا کے جہاں ہیں۔ مجھے بیات سن کر بڑا ذوق آتا۔ ایک دن کوئی خدا کا بندہ ایک تنکے غلہ گھر میں دے گیا۔ چند دن متواتر اس سے روٹی ملتی رہی۔ میں تنگ لگ گیا اور اس آرزو میں رہا کہ والدہ صاحبہ کب یہ فرمائیں گی کہ آج ہم سب خدا کے جہاں ہیں۔ آخر وہ غلہ ختم ہوا اور والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ آج ہم خدا کے جہاں ہیں۔ یہ میں کو مجھے ایسا ذوق اور الیاس رو ر حاصل ہوا کہ بیان میں نہیں آ سکتا۔

### **شیخ بکیر سے مناسبت اور قلب کی شیش حضرت خواجہ**

میں چھوٹا تھا۔ بارہ سال کا رہا ہوں گایا پچھکم زیادہ اس وقت میں لغت پڑھتا تھا۔ ایک شخص جو ابو بکر خراط کے نام سے مشہور تھا۔ ابو بکر قوال بھی کہتے تھے میرے استاد کے پاس آیا وہ ملتان ہو کر آ رہا تھا۔ اُس نے بیان کیا کہ میں حضرت شیخ بہار الدین ذکریا ملتانی کے پاس سے آ رہا ہوں۔ اس نے ان کے فضائل و مناقب بیان کرنے شروع کئے کہ وہاں کے لوگ ایسے ذاکر شاغل ہیں اور اوراد و نوافل کا ایسا انہاک۔

له سیسر الاولیاء (ص ۲۲)

لئے شیخ بکیر سے مراد اس کتاب میں ہر جگہ شیخ الاسلام حضرت خواجہ فردیل اللہ شیخ شکرؒ کی ذات ہے۔ ۱۲

ہے اور ذکر کی الیسی فضائل ہے کہ ما مائیں اور لوگوں یاں یہی جگہ چلاتے وقت ذکر میں مشغول رہتی ہیں۔ اسی طرح کی اور بہت سی خصوصیتیں یہاں کرتارہایمگر کوئی چیز میرے دل میں نہ جی۔ اس کے بعد اس نے بیان کیا کہ میں وہاں سے اجودھن آیا۔ وہاں میں نے ایسا بادشاہ دین دیکھا اس نے شیعۃ الاسلام فرید الدینؒ کا تذکرہ کیا۔ یہ سنتہ ہی میرے دل کو بے اختیار کر شش ہوئی اور ان کی محبت و ارادت میرے دل میں الیسی بیٹھ گئی کہ مجھے ان کا نام لینے میں منوائے لگا۔ اور میں ہر نماز کے بعد صڑے لے کر ان کے نام کی ریٹ لگاتا۔

**دہلی ہاسنہ** سولہ سال کی عمر میں حضرت خواجہ بدایوں سے دہلی آگئے۔

**دہلی بیس طالب علمی** آپ نے دہلی آکر طالب علمی کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہ مدت

لے سیرالاولیاء (صلت)، فوائد الغواد (صلت) ۱۲

لے یہ سیرالاولیاء کا بیان ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ تین چار سال دہلی میں طالب علمی کرنے کے بعد خواجہ صاحب اجودھن گئے۔ اور حضرت خواجہ فرید الدینؒ سے بیعت کی۔ بیعت کے وقت آپ نے اپنی عمر میں سال بیان کی ہے۔ (سیرالاولیاء صلت)، اس لئے سیرالعارفین کا یہ بیان صحیح نہیں ہے کہ آپ تین یہیں سال کی عمر میں بدایوں سے دہلی تشریف لے گئے۔ ۱۲

تین چار سال کی تھی۔ دہلی میں اس وقت بڑے نامور اساتذہ جمع  
نگھٹیہ سلطان ناصر الدین محمود کا عہدہ حکومت اور غیاث الدین  
بلبن کا عہدہ وزارت نگما۔ اور مولانا شمس الدین خوارزمی جو کہ مستوفی  
المالک ہو کر شمس الملک کے لقب سے مشہور روزگار ہوئے۔  
استاد اساتذہ کی حیثیت رکھتے نگھے سلطنت کے ایک اہم ترین  
عہدے کی ذمہ داری مشغولیت کے ساتھ اس زمانے کے علماء  
کی طرح درس و تدریس کا مشتملہ بھی جاری تھا۔ حضرت خواجہ ان  
کے حلقة درس میں شامل ہوتے۔

**اسناد کے محبوب** مولانا شمس الدین کو حضرتؐ سے تعلق  
خاص تھا۔ اور وہ ان کے محبوب ترین  
شاگرد تھے۔ آپ جس حجرہ خاص میں مطالعہ فرماتے تھے اس میں کسی  
شناگر کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔ مگر خواجہؐ اور ان کے دو رفیق  
مولانا قطب الدین نافلہ اور مولانا برہان الدین باقی اس قانون  
میں مستثنی تھے۔

لئے ملاحظہ ہوتا ہے فیروز شاہی از قاصی ضیابر الدین برلن (ص ۱۱) ۱۲  
تھے یہ صدر محاسب یا اکاؤنٹنٹ جنرل کا عہدہ تھا اور بہت بڑے علماء کو

دیا جاتا تھا۔ ۱۲

تھے سیر العارفین۔ ۱۳

خواجہ شمس الملک کی عادت تھی کہ اگر کوئی شاگرد ناغہ کر دتیا تھا  
یاد ملے سے آتا تھا تو فرماتے تھے کہ آخر مجھ سے کیا قصور ہوا تھا کہ آپ  
نہیں آئے؟ حضرت خواجہؒ نے خود یہ قصہ بیان کرتے ہوئے بتسم فرمایا  
اور کہا کہ اگر کسی سے مزاح فرماتے تو کہنے کہ مجھ سے کیا قصور ہوا کہ  
آپ نہیں آئے تاکہ میں پھر وہی قصور کروں لیکن مجھ سے ناغہ ہو جاتا  
یاد ملے میں جاتا تو میرے جی میں آتا کہ آج مجھ سے بھی بھی فرمائیں گے  
لیکن آپ مجھے دیکھ کر یہ شعر پڑھتے۔

آخر کمل لاؤ کہ گاہ گاہے آئی و بِمَاكُنَّ نَگَا ہے  
اس کا ذکرہ کرتے ہوئے خواجہ صاحبؒ آبدریدہ ہو گئے اور سب  
سنے والوں پر رفت طاری ہو گئی اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے اپنے  
جرے میں اپنے ساتھ بٹھاتے میں ہزار معدود رت کرتا مگر منظور نہ فرائیکہ  
**علمی امتیاز و تفوق** حضرت خواجہ نے اپنی ذہانت  
مناسبت خداداد اور محنت سے  
اپنے رفقاء کے درمیان علمی امتیاز اور تفوق پیدا کر لیا علمی مباحثوں  
اور سوال جواب میں (جو قدیم نظام تعلیم کا ایک اہم جزو اور علمی استعداد  
و ذکاؤت کی علمت تھی جاتی تھی) آپ کی طلاقتِ لسانی اور  
قوتِ استدلال کا ابیا اظہار ہوا کہ آپ جس علمی مسئلہ پر بحث

کرتے طلبہ لا جواب ہو جاتے اور مغلل پر آپ کے علم و ذہانت کا سکن  
بیٹھ جاتا تھا۔ چنانچہ آپ کے ساتھی آپ کو مولانا نظام الدین بحاثت  
اور مولانا نظام الدین مغلل شکن کے لقب سے پکارتے لگئے۔

### حفظ نظام فقامت اور اس کا نثار

اس زمانہ کے نصاب  
میں منفاثات حرمہ می

داخل درس تھی۔ عام طور پر طلبہ اس کے سمجھنے لیئے اور اس کے مشکل  
الفاظ و مفردات کے یاد کر لینے پر اکتفا کرتے تھے لیکن حضرت خواجہ  
نے اپنے علمی ذوق اور بلند ترقی سے اس کے پالیس مقام حفظ کئے  
بعد میں اس کے کفارے میں حدیث کی مشہور کتاب مشارق الانوار  
حفظ کی۔

### حدیث کی اجازت

آپ نے حدیث اپنے زمانہ کے  
مشہور محدث شیخ محمد بن الحمد المایلی

مشہور کمال الدین زاہدہ (م ۴۸۲ھ) سے پڑھی۔ جو مصنف  
مشارق الانوار علامہ ابن محمد الصفانی کے براہ راست شاگرد  
تھے۔ فقہ میں ان کو بیک واسطہ صاحب ہدایہ علامہ برهان الدین  
المرغیانی سے تلمذ تھا۔ آپ نے ان سے "مشارق الانوار" کا درس

مہ سیر الاولیاء (صلت)  
مہ سیر الاولیاء (صلت)

بیا اور حدیث کی اجازت حاصل کی۔

## فکر کن بے حصہ اور انجذاب الی اللہ

حضرت خواجہؒ اگرچہ ملورے انہاں کے ساتھ طلب علم میں مشغول تھے اور ان کی بلند ترقی اور عزیمت اس سلسلہ میں کسی مسلمانی اور تسالی کی روادار نہ تھی لیکن ول کسی اور چیز کو ڈھونڈتا تھا۔ اس بحث و مباحثہ اور علوم ظاہری کی فضائل ان کی طبیعت متوضّع ہو جاتی تھی۔ ایک دن فرمایا کہ ایام جوانی میں کہ جب لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست

میں سیر الادلیاں (۶۹۰) اجازت نامہ جو عربی میں ہے اور سیر الادلیاں میں بلفظہ منقول ہے۔ ۲۲ ریبع الاول ۴۴۰ھ تاریخ درج ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اجازت نامہ آپ کو جب حاصل ہوا ہے اس وقت آپ کی عمر (سنہ ولادت ۴۳۴ھ کے حساب سے) ۷۲ تھی اور یہ واقعیت بکیر کی وفات (۴۴۹ھ) کے تیرہ سال کے بعد اور اس وقت کا ہے جب آپ سنہ ارشاد و تربیت پر شکن تھے اور آپ کی شہرت دُور دُور پھر پھر چکی تھی۔ اجازت نامہ میں آپ کے لئے "الشیخ الامام العالم الناصل" اور "مقبول المشايخ الکبار منشئو العلماء الظیار الابرار" کے الفاظ ہیں۔ اس عمر و شہرت میں حدیث کی تکمیل اور حصول اجازت سے آپ کے علمی ذوق اور علویت کا اندازہ ہوتا ہے۔

رکھتا تھا ہمیشہ دل پر گرانی رہتی تھی اور دل ہی دل میں کہتا تھا کہ میں کب ان لوگوں کے بیچ میں سے چلا جاؤں گا۔ اگرچہ یہ سب پڑھنے پڑھانے والے لوگ تھے اور ہمیشہ علمی بحث و مباحثہ میں مشغول رہتے تھے لیکن اکثر میری طبیعت متوضش ہو جاتی اور میں دوستوں سے کہتا کہ میں ہمیشہ تمہارے درمیان نہیں رہوں گا۔ میں کچھ دن تمہارے بیہاں مہماں ہوں۔ امیر حسن علام سجزی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یہ حضرت شیخ الاسلام فرمادینؒ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے کا قصہ ہے۔ فرمایا:-“ماں۔”

### والدہ صاحبہ کا انتقال

دہلی کے قیام میں حضرت  
خواجہ کی والدہ ماجدہ نے انتقال

فرمایا۔

**والدہ کی یاد**

ایک روز عرصہ کے بعد حضرت خواجہ نے اپنی والدہ کے انتقال کا ذکر کیا۔ ذکر کرتے ہوئے اتنا گھمہ طاری ہوا کہ جو کچھ فرماتے تھے بلور سے طور پر سننے میں نہیں آتا تھا۔ اسی حالت میں یہ شعر پڑھا۔

افوس و لم کر پیغ تیر نکرد شبهاتے وصال نابہ نجیر نکرد

لہ فوائد الفواد (ص ۱۰۵)

## دالہ د کا ابیین و تذکرہ

حضرت خواجہ فرماتے ہیں:- ایک  
دن نیا چاند دیکھ کر حاضر ہوا

اور قدم بوسی کی اور نئے چاند کی مبارکباد معمول کے مطابق پیش کی  
فرمایا کہ:- آئندہ نہیں کے چاند کے موقع پر کس کی قدم بوسی کرو گے؟  
میں سمجھ گیا کہ انتقال کا وقت قریب ہے۔ میرا دل بھرا لیا اور میں یونے  
لگا۔ میں نے کہا کہ: مخدومہ! مجھے غریب و تجاوہ کو آپ کس کے سپرد  
کرتی ہیں؟ فرمایا: اس کا کل جواب دوں گی۔ میں نے اپنے دل میں کہا  
کہ اس وقت کیوں نہیں جواب دیں۔ یہ بھی فرمایا کہ:- جاؤ آج رات شیخ  
نجیب الدین کو بہاں رہو۔ ان کے فرمانے کے مطابق میں وہاں گیا۔  
آخر شب میں صبح کے قریب خادمہ دوڑتی ہوتی آئی کہ بی بی تم کو بولا  
ل رہی ہیں۔ میں دُڑا اور میں نے پوچھا خیریت ہے؟ کہاں؟ جب  
میں حاضر خدمت ہوا تو فرمایا کہ: میں تم نے مجھ سے ایک بات پوچھی تھی  
میں نے اس کا جواب دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اب میں اس کا جواب  
دیتی ہوں عنور سے سنو افرا یا تمہارا دیاں ہاتھ کوں سا ہے۔ میں نے  
ہاتھ سامنے کر دیا۔ میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا: خدا یا! اس  
کو تیرے پسرو دکرتی ہوں۔ یہ کہا اور جان بحق تسلیم ہوتیں۔ میں نے  
اس پر خدا کا بہت شکر کیا اور اپنے دل میں کہا کہ اگر والدہ سونفادر  
موتیوں سے بھرا ہوا ایک گھر چھوڑ کر جائیں تو مجھے اتنی خوشی

نہ ہوتی۔ سیر الادلیاں ص ۱۵۱

## ایک نہنائے خام

اس وقت دارالحکومت دہلی کی پوری  
فضا خاص طور پر طلبہ اور علماء کے

حلقہ قضا و اقتاتا کے نہ کروں، ان منصبوں پر علماء کی تقدیری اور تقاضیوں  
او رفیقوں کے جاہ و جلال اور دولت و ثروت کے قصتوں سے معور  
و گرم تھے۔ حضرت خواجہ<sup>ؒ</sup> اپنی فطری سعادت اور اعلیٰ روحانی استعداد  
کے باوجود اس وقت کم سن اور لذجوان تھے۔ علمی امتیاز اور معاشی  
تنگ حالی کے ساتھ اگر ان کے دل میں بھی کسی جاہ و منصب کا دلوں  
اور امتنگ پیدا ہوتی تو فطرت انسانی کے کچھ خلاف نہیں۔ اپنے  
ایک دن شیخ نجیب الدین<sup>ؒ</sup> خاموش سے عرض کیا کہ دعا کیجیئے کہ میں قاصی  
ہو جاؤں۔ شیخ نجیب الدین<sup>ؒ</sup> خاموش رہے اور کچھ فرمایا جو حضرت  
خواجہ سمجھے کہ انھوں نے نہیں۔ دوبارہ ذرا بلند آواز سے فرمایا کہ  
دعا کی درخواست کرتا ہوں کہ کہیں کا قاصی ہو جاؤں۔ شیخ نے فرمایا۔  
قصاصی مت ہو کچھ اور چیز ہوئے

## ابودسن کی بہلی حاضری

حضرت خواجہ<sup>ؒ</sup> ابودسن ماضی  
ہونے سے پہلے دہلی میں شیخ

بیکر کے برا د حقیقی خواجہ نجیب الدین<sup>ؒ</sup> متوکل سے متعارف ہو چکے تھے۔  
اور کچھ عرصہ ان کے ساتھ رہنا بھی ہوا تھا۔ ان کی صحت اور گفتگو نے

شیخ کبیر کے ساتھ مجتہت کی اس چنگاری میں جو کمی اور بدایوں کے قیام ہی سے طبیعت میں ولیعت ہتھی۔ اشتغال و حرکت پیدا کر دی آپ نے شیخ کبیر کی خدمت میں حاضری کا عنز مرکریا اور بالآخر آپ ان کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

**طالب یا مطلوب؟**

اپنی اس ملاقات اور بہلی حاضری کا حال خود ہی بیان فرمایا، ارشاد ہوا کہ میں جب شیخ کبیر کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے بھیتے ہی یہ شعر بھوٹھا۔ ۷

اے آتش فراقت دلہا بکباب کر دہ سیلا ب اشتیاقت جانہا خراب کر دہ  
میں نے چاہا کہ پائے بوسی کے اشتیاق کو جو عرصہ دراز سے بے چین کئے تھے  
تھا ذرا تفصیل سے بیان کروں لیکن شیخ کے رعب و جلال سے زبان اور  
قوت گویا نے ساتھ نہ دیا۔ اتنا ہی کہہ رکا کہ قدیم بوسی کا سخت اشتیاق  
تھا۔ شیخ نے جب دیکھا کہ میں اتنا معروب ہوں تو فرمایا: ”یکل دکنیں  
دفنشہ“ ہرنے آئے والے پر رعب ہوتا ہی ہے۔

**مرید کی خاطر** شیخ کبیر نے حضرت خواجہ کی بڑی خاطر فرمائی۔  
ارشاد ہوا کہ اس پر ولیسی طالبِ عالم  
کے لئے جماعت خانہ میں چار پانی بچھانی جائے۔ حضرت خواجہ فرماتے

ہیں کہ جب چار پانی پچھر گئی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں ہرگز اس  
چار پانی پر آرام نہ کروں گا۔ کتنے معزز مسافر کئے حافظ کلام اللہ تھے  
عاشقان خدا زین پر سورہ ہے ہیں۔ میں چار پانی بلکہ یہ لیٹوں؟ یہ  
خبر منتظم خانقاہ مولانا بدر الدین اسحاق کو پہنچی انہوں نے فرمایا کہ  
ان سے کہہ دو کہ تھیں اپنے دل کی کرنا چیز یا شیخ کے ارشاد کی تعمیل؟ میں  
نے عرض کیا کہ شیخ کے ارشاد کی تعمیل کروں گا۔ فرمایا کہ جاؤ چار پانی  
پر سوٹ۔

**بیعت**  
اسی حاضری میں کسی وقت حضرت خواجہ جس ارادہ  
سے آئے تھے اس کی تعمیل کی اور شیخ بکیرؒ سے بیعت  
ہو گئے۔ اس وقت آپ کی عمر بیس سال کی تھی یہ

ایسا معلوم ہوتا ہے  
**سلسلہ تعلیم رضا برایا انتظام**  
کہ حضرت خواجہ کی پہنچ تباہیں ابھی باقی تھیں، جذب و شوق کا تقاضا تھا کہ اب اس سلسلہ  
کو ختم کیا جائے اور علم تحقیق اور معرفت حقیقی کی تعمیل میں صرف  
بکار جائے جو پیدا شش کا اصل مقصد اور ریہاں کی حاضری کی عرض  
و غایت ہے۔ گویا سعدی کا یہ شعر حسب حال تھا۔

لے سبرا الاولیاء (صحت) لے الیفنا (صحت)

سعدی بشوے لوح دل از نقش غیر دوست  
علم کے رہ بحق زدناید جہالت است

تقلیم و قلم کا طویل سلسلہ پہلے بھی قلبِ حساس اور روح بیدار پر  
پڑتھا لیکن اس کو ایک ضرورت سمجھ کر اور اس لئے بھی کوئی دوسرا  
راستہ سامنے نہ تھا اختیار کیا تھا۔ اب جبکہ لفظین کا سر رشتہ اور علم حقیقی کا  
سرچشمہ مل گیا اس سلسلہ دراز کا جاری رکھنا طبیعت پر سخت بار تھا اور  
زبان حال کمہری تھی۔ ۷

تیری نظریں میں تمام میرے گذشت رو روز و شب  
مجھ کو خرض تھی کہ ہے علم تجھیل بے رطب

لیکن جس شیخ کامل سے تعلق پیدا کر لیا تھا وہ جذب کامل کے ساتھ  
خود بھی کامل العلم تھا۔ اور طریقت کے لئے بقدر ضرورت علم ظاہر کو  
ضروری سمجھتا تھا۔ خود اس کے شیخ نے یہی ہدایت اس کو کی تھی۔ پھر  
مولانا نظام الدین سے ارشاد و تربیت کا جو عالمگیر کام لینا تھا  
اس کی نازک ذمہ والوں کو ادا کرنے کے لئے علم راسخ کی ضرورت  
تھی۔ یوں بھی صاحبِ نظر شیوخ طالب کی مناسبت کو دیکھنے میں۔

حضرت خواجہ نے بیعت کے بعد فرمایا کہ میں تعلیم ختم کر دوں، اور  
اوہاد و نوافل میں مشغول ہو جاؤں؛ شیخ نے یہی فرمایا کہ میں کسی کو تعلیم  
سے نہیں چھڑاٹا۔ وہ بھی کرو، یہ بھی کرو، تو کیوں کیا چیز غالب آتی ہے؟  
یہ بھی فرمایا کہ: در ویش کو تھوڑا اعلم بھی چاہیے۔

سیر الادیاد ف

## شیخ نکیر سے درس

شیخ نکیر کی یہ خصوصی عنایت اور اختصار تھا کہ آپ نے حضرت خواجہ کو نفیں لفظیں

بعض چیزیں پڑھانا شروع کیں۔ فرمایا کہ:- نظامِ تم کو کچھ تباہیں مجھ سے بھی پڑھنی ہوں گی۔ چنانچہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ کی لقوف کی مشہور کتاب عوارف المعرف کا درس شروع کیا اور کچھ باب اس کے پڑھاتے۔ اس کے علاوہ تمہیں ابوشکور سالی بھی اول سے آخر تک سبقاً سبقاً پڑھائی۔ مزید براں تجوید کی تعلیم بھی دی۔ اور کچھ بارے کامل تجوید کے ساتھ پڑھائے یہ حضرت خواجہ زمانہ گزر جانے کے بعد بھی اس درس کی لذت کو یاد فرماتے رہے۔ فرماتے تھے

کہ عوارف کے درس میں جو خلائق اور نکات حضرتؐ کی زبان سے سنے وہ پکھر بھی سنتے میں نہ آئیں گے۔ بیان کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جب حضرتؐ نقشبند فرماتے تھے تو یہ آرزو ہوتی تھی کہ اگر اسی حالت میں موت آجائی تو ہر اچھا ہوتا۔

## خود شکنی کی تربیت

عوارف کا جو شنیدن درس کے وقت شیخ نکیر کے ہاتھ میں ہوتا تھا وہ پکھر سقیم بھی تھا اور خط بھی باریک تھا چند ہی اسباق کے

شیخ الاولیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فائدۃ الغواد (مفہوم)

بعد ایک ایسا مقام آیا جہاں شیخ کو مجھ دید تا مل رہا۔ خواجہ نے (ساوگی اور لذ عمری میں) کہا کہ میں نے شیخ نجیب الدین منوکل کے پاس ایک اور شیخ دیکھا تھا وہ لشکر صلح تھا۔ شیخ نے فرمایا: "درویش را قوتِ تصحیح نسوز سقیم میست۔" (فیقر کو سقیم لشکر کی تصحیح کی طاقت نہیں) بار بار شیخ نے یہ فقرہ دی رہا۔ خواجہ فرماتے ہیں کہ شروع میں تو مجھے جیمال نہ آیا لیکن بار بار یہ الفاظ شیع کی زبان سے نکلے تو سبق کے دوسرے ساتھی مولانا بدر الدین اسحاقی نے بتلایا کہ خطاب تھماری طرف ہے۔ حضرت خواجہ کے ہوش الٹگئے فرماتے ہیں کہ "سر برہمنہ کردم و درپائے شیخ اقتادم" کہتے جاتے تھے۔ نفوذ باللہ بمراں سے حضرت پر تعریض کرنا ہرگز مقصود نہ تھا۔ خواجہ فرماتے ہیں میں نے ہر چند معدودت کی۔ لیکن حضرت کامل خاطر نہ گیا۔ فرماتے ہیں میں انٹھ گیا لیکن سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں۔ وہ دن جیسا مجھ بیڑ گزرا اور جس حزن و غم کا پہراڑ مجھ پر لٹا شاید کبھی کسی شخص کو ایسا کبھی پیش آیا ہو۔ سراسیر پریشان باہر آیا۔ ایک مرتبہ تو یہ جی چاہا کہ کنویں میں گزر جان دیروں لیکن پکھ سوچ کر باز رہا۔ اسی یہ میشانی اور سراسیرگی کی حالت میں جنگل کو تخلی گیا اور بہت رویا۔

شیخ بکری کے ایک صاحبزادے شہاب الدین ناجی سے خواجہ کا خاص میل ملا پ تھا۔ انہوں نے شیخ بکری سے خواجہ کا یہ حال کہا جو مقصود تھا پورا ہو چکا تھا۔ حاضری کی اجازت مرحمت ہوتی۔ "بامدم سر برہ-

قدم مبارک اور دم "معافی ہوتی۔ دوسرے روز طلب فرمایا اور ارشاد ہوا۔ یہ سب میں نے تھاری تکمیل حال کے لئے کیا۔ پیر مشاطہ مر پیدھوتا ہے۔ اس ارشاد کے بعد خلعت و کوت خاص سے سرفراز فرمایا گیا۔

### حضرت خواجہ نظام الدین کے لئے وہ وقت فیصلہ کن موقع جب شیخ بکیر نے ان کے صرف اتنا کہدینے

پیر کہ "میں نے شیخ نجیب الدین کے پاس ایک بہتر نسخہ دیکھا ہے۔ اپنی کبیدگی اور ناسنیدگی کا اظہار کیا۔ ایک بڑا نازک وقت تھا۔ بظاہر اس معصوم جملہ اور اطلاع پیر کہ" میں نے آپ اسی کے بھائی کے پاس ایک بہتر نسخہ دیکھا ہے۔ اتنی ناراضگی اور احتجاج کی ضرورت

لہ فوائد الفواد (ص ۲)، بہاں پیر کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ شیخ کامل نے تلمیذ رشید کی ایک معمولی سی اطلاع اور معرفت پر اتنی برا فروختگی اور آزر دگی کا اظہار فرمایا۔ اس لئے کہ جیسا کہ خود شیخ کے جلد سے معلوم ہوتا ہے یہ سب آزر دگی پہنچلت اور طالب رشید کی ترقی باطن اور خود شکنی کے لئے ہے۔ شیخ مجتهد و مخلص اس کے لئے اپنے اجتہاد سے مختلف ذرائع اختیار کر سکتا ہے۔ اور اس کے لئے کسی تقریب و موقع کا بھی انتخاب کر سکتا ہے حضرت کعب بن مالک کے ابتلاء کے واقعہ سے اور ان کو اس کو تاہی پرجوان سے بلا ارادہ سرزد ہوتی تھی جو سرزنش کی گئی اور ان کے ساتھ حورہ اختیار کیا اور کرمایا گیا اس سے بھی روشنی اور رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔"

نہ تھی، لیکن شیخ کمال کو ایک ایسے طالب علم سے جس کو اس کا جانشیں بننا  
تھا اور لوگوں کی خود شکنی کی تربیت کرنی تھی، اتنی خود بینی بھی گواہ  
نہ تھی۔ پھر اس مستر شد کو کمال حال کے جس مقام تک پہنچانا تھا اس  
کے لئے اضطرار و اضطراب، شکستہ دلی و شکستگی کی خاص کیفیت پیدا  
کرنی مقصود تھی۔ لیکن ایک دلیں اور صاحبِ اسناد نوجوان کیلئے  
جو اپنی علمی تکمیل کر جکا تھا وہ قوتِ بڑا نازک اور فیصلہ ان تھا اور اسی  
پر اس کے مستقبل کا اختصار تھا۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے صحیح  
لکھا ہے:-

صادق و کاذب طلب میں امتیاز کا وقت آگیا دنیا دیکھ  
رہی تھی اب مولانا نظام الدین کافی صدکیا ہوتا ہے؟ کیا  
مولانا بحاثت اور مخلصگی کے لقب کو لے کر دنیا سے واپس  
چلے جائیں گے، جیسے لاکھوں ہی بحاثت و مخلصگیں آتے اور  
چلے گئے یا شاہجہان کے سلطان کا جو تحفہ خالی ہے اس پر قدم  
رکھنے کی رہت کرتے ہیں۔ اپنے اپنے حوصلہ کی بات ہوتی ہے  
ورنہ تجھے ہی سے۔ ۶

لوہی ناداں چند کیلوں پر فناعت کر گیا  
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگی داماں بھی ہے  
چند کلیاں جواب تک ان کے انتہیں تھیں وہ پھینک  
دی گئیں اور اپنی تنگ داماں کے علاج کے آخری فیصلہ

بڑوہ ڈٹ گئے۔ نظر کے چھوٹے ہوتے تو کہہ سکتے تھے  
کہ بھلہ میرا ایسا اقصور میں نے غلطی ہی کیا کی ہے۔ ایک اپھے  
فسخ کا علم تھا اس کا انٹہار کیا گیا تھا پھر اس پر اتنی بسیجی کے  
بیما معنی؟ یہی شو شہ اگر سانسے آ جاتا وہی لمبی لکیسر بن  
سکتا تھا۔ اتنی لمبی کہ شیطان کی آنت بھی اس سے چھوٹی  
ہو۔ بڑھاپے میں داعنی تو ازن صحیح نہیں رہا ہے۔ مزاج میں  
تندی اور غصہ سے آگے بڑھ کر اسی کو "لفانیت" کا ثبوت  
بھی قرار دیا جاسکتا تھا بلکہ دین کی آڑ بیکر سلطان جی چاہتے  
تو "اسوہ حسنہ نبویہ" کے معیار پر شیخ بیکر کے اس طرز عمل کو حوما  
بنا کر لوگوں کو دکھا سکتے تھے لیکن ظاہر ہے وہ اپنا علاج کرانے  
کے لئے آتے تھے۔ شیخ بیکر کی کمزوریوں کا علاج اجودھن  
آنے سے منصود نہ تھا۔ اس کو طے کر کچے تھے کہ یہ معالج طبیب  
ہے۔ اس کے بعد تنقید کا حق ان کے لئے باقی رہی کب رہا تھا؟

**ایک فیض کن ملامت**

خواجہ فرماتے ہیں کہ میں شیخ بیکر  
کی خدمت میں اجودھن خاطر تھا  
ایک عالم بھی جو بیرے دوست اور ہم درس تھے اور ہم دونوں ایک  
سامنہ مذکورہ کرتے تھے اجودھن آتے۔ انہوں نے جب مجھے پہنچنے پلے

پکڑوں میں دیکھا تو بڑی حیرت و تاسف سے مجھ سے کہا۔ مولانا نظام الدین  
 تم نے اپنا کیا حال بنالیا ہے۔ اگر تم شہر میں درس و تدریس کی خدمت  
 میں مشغول رہتے تو مجتہد زمانہ ہوتے اور بڑی شان و شوکت سے رہتے  
 میں نے اپنے دوست کی یہ بات سنی اور ان سے مغدرت کر دی۔ اس  
 کے بعد جب میں شیخ بکیر کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے خود بخود  
 فرمایا کہ نظام! اگر تمہارا کوئی دوست تھیں ملے اور تم سے کہے کہ تم  
 نے اپنا کیا حال بنالیا ہے۔ اور تعلیم و تعلم کا وہ سلسلہ کیوں چھوڑ دیا۔ جو  
 فارغ الیامی اور خوشحالی کا فریبہ بتتا اور سیہاں اس حال میں کیوں ہو  
 تو تم اس کا کیا جواب دو گے؟ میں نے عرض کیا کہ جو ارشاد عالی ہو  
 وہی کہہ دوں گا۔ فرمایا اگر بھی کوئی ایسا سوال کرے تو یہ شعر پڑھ  
 دیتا۔

نہ ہر ہی تو مرا دا خوشیں گیر دیو: تراسلامی باد امر انگون ساری  
 اس کے بعد حکم ہوا کہ خانقاہ کے مطہن سے مختلف قسم کے کھاتے ایک  
 خوان میں اپنے سرمهد کھکھ کر اس رفیق کے پاس لے جاؤ۔ میں نے تعمیل اشاؤ  
 کی۔ میرے دوست نے جب پر منتظر تکھا تو رو تا ہوا دوڑا اور میرے  
 سر سے خان آما را اور کہنے لگا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ میں نے سارا قصہ سنایا  
 اس نے یہ سن کر کہا کہ تمہارے شیخ ایسے ہیں کہ انہوں نے تم کو بے نفسی  
 کے اس مقام پر پہونچا دیا ہے۔ مجھے بھی ان کی خدمت میں لے چلو  
 جب وہ کھاتے سے فارغ ہوتے تو اپنے ملازم سے کہا کہ یہ خوان

اٹھاؤ اور ہمارے ساتھ چلو، میں نے کہا کہ نہیں جیسے میں یہ خوان  
اپنے سر پر برکھ کر لایا ہوں ویسے ہی سر پر برکھ کر لے جاؤں گا عرض  
ہم دونوں خدمت بارکت میں پڑوئے اور ہمارے دوست نے  
حضرت کے ہاتھ پر بیعت و توبہ کی اور آپ کے حلقہ مذاہم میں  
داخل ہوتے۔

### کتنے بار حافظ کی ہوئی؟

حضرت خواجہ شیخ کبریٰ  
کی زندگی میں تین بار

اجود صحن حاضر ہوتے پہلی یا کسی اور حاضری میں خلافت سے  
مشرف ہوتے ہند کروں میں اس کی صراحت نہیں ہے۔

**شیخ کی نماز** ایک حاضری میں ایک دن ۲۵ جملوی  
الادلی کونماز جماعت کے بعد طلبی وحقی۔  
شیخ بکیر نے اپنا العاب درہن حضرت خاجہ کے درہن میں ڈالا قرآن مجید

ص سیر الاولیاء ص ۲۹ و من ۱۷ ت فوائد الفواد ص ۲۷

تھے یہاں سیر الاولیاء میں سنتہ قیسہ و سنتین و سنتھائیہ (۴۴۹ھ) یا تو غلط  
درج ہو گیا ہے اور قیسہ و سنتین ۵۹ مراوے ہے اس لئے کہ شیخ بکیر کی وفات  
کا ستر سیر الاولیاء وغیرہ میں ۴۴۷ھ ہے۔ یا پھر قیسہ کیا جائے کہ آپ کا  
سروفات ۴۰۰ حصے چیسا کہ خزینۃ الاصفیاء میں بحوالہ مخابر الصلیین و تکہ  
العاشقین درج ہے۔ بہر حال سیر الاولیاء کے سینیں میں تضاد ہے۔

کے حفظ کی وجہت فرمائی۔ فرمایا کہ خدا نے دین و دنیا تم کو دی۔ یہاں سب پکھری ہی ہے۔ دہلی کی طرف روانہ کیا اور فرمایا ہے۔ تیرہو ملک ہندگیر  
**نظرِ مُثُلَّتٍ تَكْفِيرِيَّةٍ**

**حضرت او - وصیت** فرمایا کہ دہلی جاتا تو مجاہد ۵ میں مشنوں رہنا، بیکار رہنا کچھ نہیں (نقی) روزہ رکھنا صفتِ راہ ہے۔ دوسرے اعمال نماز درج (نقی) صفتِ راہ۔

سیر الادیا میں ہے کہ خلافت نامہ دکھر دیا اور ہمیت کی کہ مولانا جمال الدین کو باشی میں اور قاضی منتخب کو دہلی میں دکھار دینا۔ ارشاد ہوا کو تم ایک سالی دار خشت ہو گئے جس کے سایہ میں اللہ کی مخلوق آم پائے گئی۔ استعداد کی ترقی کے لئے بجاہدہ کرتے رہنا۔

حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ والپی میں میں نے باشی میں شیخ جمال الدین کو خلافت نامہ دکھایا۔ بڑا انہما مسرت کیا اور یہ شعر پڑھا۔

خدا نے جہاں لاہر اداں پاس کو گوہر پر در بگوہر شناسٹ  
اسی حاضری میں یک شہان کو حضرت خواجہ کی طرف  
**ایک دنماں دخواست**

لے سیر الادیا۔ (صلالہ) تے ایضاً ص ۱۱۴ و ص ۱۱۵ اس موقع پر سیر الادیا میں جو  
449 ص پھر دیا گیا ہے اس کے متعلق اور پر گفتگو ہو چکی ہے۔ ॥

سے شیخ بکیر کی خدمت میں اس دعا کی درخواست پیش کی گئی کہ خلق کے در بدر نہ پھرنا پڑے۔ درخواست قبول ہوتی اور دعا فرمائی گئی۔ ایک موقع پر فرمایا گیا کہ میں نے اللہ سے تمہارے لئے تحویلی سی دنیا بھی مانگ لی ہے۔ خواجہ فرماتے ہیں کہ میں یہ سی کرتنا فکر ہوا کہ بڑے بڑے لوگ دنیا کے سبب سے فتنہ میں پڑ گئے۔ میرا کیا حال ہو گا۔ شیخ نے فوراً ہی فرمایا کہ تم فتنہ میں نہیں پڑ گے خاطر جم جم رکھو۔ اب مجھے اطمینان ہوا۔

### اجودھن سے دہن کو خواجہ نظام الدینؒ اب اپنے مرشد و مریت سے رخصت ہو کر

ہندوستان کی تحریر و حانی خلق خدا کے ارشاد و تربیت اور تبلیغ و رہایت کی عظیم و مقدوس ہم پر روانہ ہوتے۔ یہ ایک فقیر ہے نوا تھا جو ہندوستان بلکہ ساتویں صدی ہجری کے عالم اسلامی کی سب سے تھکم اسلامی سلطنت کے دارالسلطنت کو جاری رکھا۔ اس کے پاس اخلاص، اعتقاد علی اللہ اور استفنا عن الملک کے سوا کوئی زاد راہ اور کوئی تھیمار و سلاح نہ تھا۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے خوب لکھا ہے۔

ہندوگیری کی ہم پر اجودھن سے ہند کے دارالسلطنت ہی کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ جہاں پنجھ سے اوپر تک بے شمار

لے سیر الاولیاء۔ (ص ۲۷)، تہ ایفاد (ص ۲۷)

جو شہر پر اجاتے بیٹھے ہیں۔ ان میں وہ بھی ہے جس کی زبان کی معمولی حرکت لوگوں کے تن سے سر جدرا کر دیتی ہے۔ وہ بھی ہیں جن کی نیازمندی خاک سے اٹھا کر لوگوں کو اُڑا و دولت کے افلک تک پہنچا رہی ہے۔ گلی گلی میں عزت تقسیم ہو رہی ہے۔ مناصب بہت رہنے ہیں۔ روپتے لئے جا رہے ہیں۔ گودیں بھر رہی ہیں اور جن جن ذرائع سے یہ ساری چیزیں حاصل ہوتی ہیں سلطان المذاخ شب سے لئیں ہیں۔ آپ پڑھ کچے ہیں کہ احمد حسن جانے سے پہلے دری کی علمی مخلوقوں کی محفلِ مکملی میں ان کی عام شهرت ہو چکی ہے۔ کچھ نہیں تو قضاۓ عہدے سے لیکر شیخ الاسلامی و صدر جہانی کی خدمات تک کی ساری راہیں اپنے سامنے کھلی پا رہے ہیں۔ لیکن اب خالق کی صورت میں جو الہ ان کوں چکا تھا یہ نہ اسی کے وزن سے آنا معمور تھا کہ کسی مخلوق کی کوئی بجماش ان کے قلب میں باقی نہ تھی۔ قلب کی اسی کیفیت کی تعبیر تھی جس کا اظہار وہ بھی بھی ان مشہور تریز الفاظ میں فرمایا کرتے تھے:-

ایمان کس تمام نہ شود تاہم خلق  
در نزدیکی او تم چو پیک شتر نہ شاید

مجلس مبارک میں دمشق کے ایک شخص کا ذکر ہو رہا تھا جو شیخ  
الاسلامی کی خدمت کے لئے ساری ساری رات نماز پڑھتا  
تھا۔ اپنی انھیں نمازوں کو لگانے والیں میں حصول عزت کا ذریعہ  
بنارہ تھا۔ جامن طفوظات راوی ہیں کہ

دریں میں خواجہ ذکر اللہ را نیز یہ سن کر حضرت خواجہ چنگوں  
چشم پر آب کر دیا۔ مبارک میں آنسو آگئے اور فرمایا کہ پہلے  
لادموز اول شیخ الاسلامی شیخ الاسلامی کو جلا و پھر آگ  
را پس خانقاہ را بعد ازاں لگاؤ خانقاہ کو، پھر اپنی خودی  
خود را۔

الغرض اس شان کے ساتھ سب کو جلا کر بھسک کر کے وہ بھونی  
سے روان ہوتے ..... اور جس علاقہ کی ولایت آپ  
کے پسروں ہوتی تھی اسی کے پایانی تھت میں آپ پھر بیٹھ گئے۔

**از در فیر حقوق** شیخ بکیرؒ نے ارادت و خلافت کے ساتھ کتنی  
پوری کوشش کرنا، اور اہل حقوق کو راضی کرنے میں کوئی دلیل فوگداشت  
نہ کرنا۔ خواجہ فرماتے ہیں کہ میں جب دہلی چلاتا تو مجھے یاد آیا مجھے

لہ فائد الفوائد (ص ۲۲)

تھے ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت (منہاج) مولانا مفتاح الرحمن گیلانی

۲۰۔ جیتل ایک شخص کے دینے ہیں۔ اور ایک کتاب میں نے کسی سے مستعار  
لی تھی وہ کھو گئی ہے۔ میں نے برا یوں کے قیام میں یہ عنز کر لیا تھا  
کہ میں جب دہلی پہنچوں گا تو ان اہل معاملہ کو راضی کرنے کی کوشش  
کروں گا۔ جب میں اجودھن سے دہلی والپس آیا تو جس شخص کے میں  
جیتل مجھے دینے تھے وہ براز تھا۔ میں نے اس سے کپڑا خردیدا تھا  
کسی وقت میرے پاس میں جیتل جمع نہیں ہوتے کہ میں اس کو پہنچا  
دیتا۔ معاش کی بڑی تکمیل تھی۔ کبھی باری جیتل اتفاق آتے کبھی دن۔ ایک  
مرتبہ دس جیتل ملے میں اس بزانے کے دروازے پر پہنچا۔ اس کو آواز دی  
وہ باہر آیا تو میں نے اس سے کہا کہ تمہارے میں جیتل میرے ذمہ ہیں  
ایک مرتبہ تو مجھے دینے کی مقدرت نہیں یہ دس جیتل لایا ہوں اس کو لے  
لو، دس انشا۔ اللہ اس کے بعد پہنچا دوں گا۔ اس شخص نے یہ سن کر کہا  
کہ ہاں حلوم ہوتا ہے کہ تم مسلمانوں کے پاس سے آ رہے ہو۔ اس نے  
وہ دس جیتل تو لے لیتے اور کہا کہ میں نے دس جیتل معاف کیتے۔

اس کے بعد میں اس شخص کے پاس گیا جس کی کتاب میں نے لی تھی۔ اس  
نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں نے کہا کہ صاحب میں نے آپ سے ایک کتاب  
مستعار لی تھی وہ کھو گئی۔ آپ میں اس کی نقل تیار کر کے آپ کو دو انگا

۱۔ جیتل اچیل ہابہ کا ایک سکہ تھا۔ تھک کے دروپیہ، چونٹھ جیتل اور ایک  
جیتل کے چار فلوس یعنی دھیلے تھے۔ دناریخ ہند،

میں بالکل اسی طرح لکھوا کر آپ کو پہنچا دوں گا۔ اس شخص نے کہا کہ مال تتم جہاں سے آ رہے ہو وہ باں کا بھی تسبیح ہونا چاہئے۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ میں نے وہ کتاب تم کو بخششی لے۔

**دہلی کی قیام گاہیں** خواجہ صاحبؒ اہل دہلی بلکہ انہیں ہند کی خودت کے لئے جب وہی پہنچنے تو باوجود اس

کے کہ دہلی کا کوچ کوچ محلوں اور یالاں سے آباد تھا اور روز نئی نئی عمارتیں بن رہی تھیں۔ خواجہ صاحبؒ کے قیام کا کوئی لٹھکانا نہ تھا جب تک کہ غیاث پور کا قیام اختیار نہیں فرمایا۔ آپ نے اتنی قیام گاہیں اختیار کیں اور اتنے مقامات تبدیل کئے کہ معلوم ہوتا ہے کہ شہر میں اس فقر کیلئے اپنا درویشانہ سامان رکھنے اور اپنا بوریا پچھانے کے لئے جگہ نہیں تھی۔ سیر الادیا کے صنف میر خوردا پنے والد سید مبارک محمد کرمانی کی زبانی جو حضرت خواجہؒ کے دوست اور رفیق تھے۔ اس نقل مکانی کی تفصیل بیان کرتے ہیں جو ناظرین کی عبرت کے لئے بہار نقل کی جاتی ہے۔

سید مبارک محمد کرمانی فرماتے ہیں۔

جتنے سال سلطان المأمون شہر دہلی میں رہتے کوئی مکان آپ کی ملکیت میں نہ تھا۔ اور ساری عمر آپ نے کوئی جگہ اپنے اختیار سے اختیاب نہیں فرمائی۔ جب آپ بدالیوں سے آتے تو

سراتے بیاں بازار میں جس کو حمل کی سراتے بھی کہتے ہیں اترے  
 والدہ اور بھیرہ کو وہیں رکھا اور خود ایک قواں دکھان لگی  
 کی بارگاہ میں جو سراتے مذکور کے ساتھ تھی مقسم ہوتے۔ امیر  
 خرسو کا بھی اسی محل میں رکھا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد راوت  
 عرض کامکان خالی ہوا۔ اس کے لئے علاقوں میں چلے گئے  
 امیر خرسو کی معرفت جو راوت عرض کے نواسے تھے سلطان  
 المشائخ نویں مکان قیام کیلئے مل گیا۔ آپ دوسال اس مکان  
 میں رہے۔ یہ مکان شہر نہاد کے متصل مندر دروازہ وہنہ حصہ  
 میں کے نزدیک تھا اس طرح سے کہ شہر نہاد کا برج اس  
 عمارت کے اندر رہا گیا تھا مکان کے ایوان و دروازہ بڑے  
 بلند اور شاندار تھے۔ اس عرصہ میں راوت عرض کے لئے کے  
 آئئے۔ سلطان المشائخ کو اس مکان سے منتقل ہو جانا پڑا۔  
 آپ کی کتابیں جن کے سوا اور کوئی سامان نہ تھا ہم سروں  
 پر رکھ کر چھپر والی مسجد میں جو سراج بقال کے ساتھ تھی  
 لے آئے۔ دوسرے روز معد کاغذی تھے جو شیخ صدر الدین  
 کے مریدین میں تھے۔ قصہ سننا اور سلطان المشائخ کے پاس  
 آگر بڑی عزت و تقدیر اور خوشامد سے اپنے مکان پر لے  
 گیا۔ بالآخر انہیں ایک بہت اچھی بارگاہ بنی ہوئی تھی۔ وہاں  
 آپ کو شہر ایسا سلطان المشائخ لیکر جیسے وہاں شہرے۔ اس

کے بعد وہاں سے بھی اٹھئے۔ رکاب پار کی سرائے میں جو قیصری  
کے متصل تھی۔ سرائے کے درمیان ایک مکان تھا وہاں مقام ہوتے  
ایک ملت کے بعد وہاں سے بھی منتقل ہو کر شادی گلابی کے  
مکان میں جو نجد مسجد و علی کی دو کافلے کے درمیان واقع تھا  
قیام اختیار کیا۔ اس درمیان میں شمس الدین شراب دار کے  
لڑکے اور اعزہ جو آپ کے مستعد تھے آپ کو بڑی عزت  
اور احترام کے ساتھ شمس الدین شراب دار کے مکان میں  
لے آئے۔ بھتی سال سلطان الشانخ اس مکان میں رہے۔ اس مکان  
میں بڑی راحت اور سکون خاطر پیش رکھی۔

**فقر و فاقہ** خواجہ صاحب دہلی تشریف لاتے تو ابتدا و ترمیت کا  
وہ دور شروع ہوا جو اس راہ کے سالکوں کو جاؤ گے  
چل کر مریض خلانق و سرچشمہ نیوض بنتے ہیں عادٹا پیش آیا کرتا ہے یہ  
وہ وقت تھا کہ سارے ہندوستان کی دولت اور روز جوار دہلی  
امنہ کر آئے تھے اور ارزانی کا یہ عالم تھا کہ ایک جو قیل میں دو سیر  
مید سے کی پیکی بکانی روٹیاں لے جاتی تھیں اور دو جتیل میں ایک من  
خر لوزہ آجائتا تھا۔ لیکن خواجہ صاحب کے فقر و فاقہ کا یہ حال تھا کہ فرماتے

لہ بادشاہ کو پانی پلانے کا عہدہ ۱۲۔  
کہ سیر الادلیا (صفحہ)

ہیں کہ میرے پاس ایک داہم بھی نہ ہوتا کہ اس سے میں روٹیاں خرید کر خود  
کھاؤں اور والدہ و بھیرہ اور گھر کے ان لوگوں کو کھلاؤں جو میری کافی  
میں نہیں۔ خرچوں کی اس ارزانی و فراوانی کے باوجود پوری پوری فعل  
گزر جاتی اور خرچوں پر کھانا غیب ہوتا ہیں اپنے اس حال میں خوش رہتا اور  
آرزو کرتا کہ جتنی فعل باقی ہے وہ بھی لذ رجاتے اور میں اسی حال میں  
رہوں۔

### نبیر کے واسطے کے بغیر

اسی زمانہ میں جب کتاب شہر زبانہ  
کے اس برج میں مقیم تھے  
جو منہہ دروازہ کے متصل ہے۔ کبھی روز گزر گئے اور کھانے کو کوئی چیز  
میسر نہیں آئی۔ ایک طالب علم کو اس کا علم تھا کہ کبھی روز سے حضرت کو فواد  
ہے۔ اس طالب علم نے بعض ہمسایلوں کو جو نور بات تھے اس کی اطلاع  
کی۔ وہ کھانا تیار کر کے لاتے۔ کھانے کے لئے اتھر دھلاتے وقت  
کھانا لانے والوں میں سے ایک بولا خدا طالب علم کا بھلا کرے کہ اس  
نے ہمیں خبر کر دی۔ خواجه نے اتھر رکھ لئے اور فرمایا کیا جگری؟ اس  
نے کہا کہ فلاں طالب علم نے ہمیں بتلایا کہ آپ کبھی روز سے فاقہ سے  
ہمیں چنانچہ ہم یہ کھانا تیار کر کے لاتے۔ آپ نے فرمایا بعاف رکھو۔ کتنے  
ہی ان لوگوں نے کوشش کی۔ آپ نے کھانا قبول نہیں کیا۔

## شیخ بکیر کی وفات

آخر کی بار آپ شیخ بکیرؒ کی خدمت میں  
تین چار ہفتے قبل گئے تھے۔ فرماتے ہیں

کہ ہر چشم کو شیخ بکیرؒ نے وفات پاتی اور شوال کے ہفتہ میں مجھے حضرت  
نے دہلی میں شیخ دیا۔ بیماری کی ابتدا۔ ہو چکی تھی۔ رمضان کا ہفتہ تھا اور آپ  
بیماری کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ رہے تھے۔ ایک روز کہیں سے خربوزہ  
آیا تھا۔ خربوزہ کاف کر میں نے شیخ کے سامنے رکھا۔ شیخ نے تناول فرمایا  
اور ایک قاش مجھے عنایت فرمائی۔ میرے دل میں آیا کہ یہ دولت اب کب  
لے گی کہ اپنے دست مبارک سے مجھے عنایت فرمائے ہیں۔ میں کھالوں  
اور دو ہفتے مسلسل روز سے رکھ کر (فرض روزہ توڑ دینے) کا کفارہ ادا  
کر دوں گا۔ فرمایا کہ نہیں نہیں میرے لئے تو شریعت کی اجازت ہے  
تمہارے لئے جائز نہیں۔

فرمایا کہ انتقال کے وقت مجھے یاد فرمایا اور فرمایا کہ نظام الدین تو  
دہلی میں ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ میں بھی اپنے شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی ہلت  
کے وقت حاضر نہ تھا۔ بالنسی میں تھا۔ فوائد الفواد میں ہے کہ یہ تذکرہ کرتے  
وقت آپ پر الیسا گریہ طاری ہوا کہ تمام حاضرین کے دل متاثر ہوتے۔  
وفات کے بعد آپ اجودون حاضر ہوئے۔ مولانا بدر الدین الحنفی

لے ۴۴۳ھ تہ فوائد الفواد (ص ۵۵)

تہ فوائد الفواد (ص ۵۵)

نے شیخ بکیرؒ کی وصیت کے مطابق جامِ مصلحت اور عصا پر کیا جو حضرت  
خواجہ کو دینے کے لئے شیخ بکیرؒ نے مولانا کے حوالہ کیا تھا۔

### نبیاث بور کا قیام

فائد الفواد میں ہے کہ ایک روز آپ  
نے شہر کے شور و شر کا نذر کر کر تے  
ہوتے بیان کیا کہ ابتدائی زمان میں بھی میرا شہر میں دل نہیں لکھتا تھا۔ ایک  
روز تخلیع خال کے حوض پر تھا۔ ان دنوں میں قرآن مجید را دکر رہا تھا۔ وہاں  
ایک درویش یا دخدا میں مشغول تھا۔ میں اس کے پاس گیا اور اس سے پوچھا  
کہ آپ اسی شہر کے رہنے والے ہیں؟ انھوں نے کہا۔ ہاں! میں نے کہا  
اپنی مرمنی سے اس شہر میں رہتے ہیں؟ اس نے کہا۔ یہ بات تو نہیں ہے اس  
کے بعد اس درویش نے واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے ایک اچھے  
درویش کو دیکھا۔ بیرون کمال دروازہ، اس احاطہ میں جواب خندق ہے  
اس دروازہ کے قریب ایک بلند زین ہے جس پر شہزاد کی چار دیواری  
بنی ہوتی ہے وہ درویش بیٹھا ہوا ہے۔ اس درویش نے مجھ سے کہا کہ  
اگر ایمان کی خیر جانتے ہو تو اس شہر سے چلے جاؤ۔ میں نے اسی وقت  
سے اس شہر سے چلے جانے کا حکم ارادہ کیا لیکن موافق پیدا ہوتے رہے۔ آج بھی اس  
سال ہو گئے کہ میرا رادہ باقی ہے۔ لیکن جانے کی نوبت نہیں آتی حضرت  
خواجہ نے یہ حکایت بیان کر کے فرمایا کہ میں نے جب اس درویش کی یہ

باستانی تو اپنے دل میں یہ طے کر لیا کہ میں اس شہر میں نہ ہوں گا۔ کتنی جگہ کا  
خیال آتا تھا کہ میں وہاں چلا جاؤں۔ کبھی دل میں آتا تھا کہ قصہ پیشائی چلا  
جاؤں۔ وہاں ان دنوں ایک ترک تھا۔ کبھی دل کرتا تھا کہ بشتال چلا جلوں  
وہ ایک پاک صاف جگہ ہے۔ چنانچہ بشتال چلا جیا۔ تین روز وہاں رہا۔ کوئی  
مکان نہیں ملا۔ نہ کرایہ کا ذبقت۔ ان تین دنوں روزانہ کسی ایک کامہمان  
رہتا تھا۔ جب وہاں سے واپس آیا تو یہی خیال لگا کہ ایک روز حوض  
منی کی طرف گیا ہوا تھا۔ وہاں ایک باغ میں جس کو ”باغِ حیرت“ کہتے  
ہیں۔ اللہ سے مناجات کی۔ طبیعت متوجہ تھی۔ میں نے عرض کیا کہ خدا وہاں!  
میں اس شہر سے چلا جانا چاہتا ہوں۔ یہیں کوئی جگہ اپنی صرفی سے اختیار  
نہیں کروں گا۔ جہاں آپ کی صرفی ہو وہاں چلا جانا چاہتا ہوں۔ اس دو میان  
میں ایک غیبی آواز ”غیاث پور“ کے نام کی آئی۔ میں نے کبھی غیاث پور کو کجا  
نہیں تھا۔ اور یہ کبھی نہیں جانتا تھا کہ غیاث پور کہاں ہے۔ میں نے جب  
آواز سنی تو ایک دوست کے پاس گیادہ دوست ایک نیشاپوری نقیب  
تھا۔ جب میں اس کے گھر گیا اور اس کو دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ  
غیاث پور گیا ہوا ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ۔ یہی غیاث پور ہے  
الغرض غیاث پور آیا۔ اس وقت تک یہ مقام ایسا آباد نہیں تھا لیکن ہنر و فن

لے ملے انبار میں ایک قصہ ہے۔ اہم خسر کا ہنہال سیں تھا اور اسی  
تقریب سے وہ فہار پہنچتے تھے۔ ۱۲

جگہ تھی۔ آدمی بھی کم تھے۔ میں آیا اور میں نے وہاں حکومت اختیار کر لی۔ جب کیقباد نے بیکلوجھری کو اپنی فرد و گاہ بنایا تو وہاں ہجوم خلافت ہوا۔ امراء اور اعیان سلطنت اور ان کے متعلقات کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ جب میں نے یہ اڑدھام دیکھا تو اپنے دل میں کہا کہ اب تہاں سے بھی چلا جانا چاہتے۔ اسی خیال میں تھا کہ ایک بزرگ کا جو میرے استاد بھی تھے شہر میں انتقال ہوا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اب جب میں ان کے فاتح میں جاؤں گا تو پھر کسی طرف کا قصد کروں گا۔ اپنے دل میں اس کو لے کر لیا اسی روز شہزاد عصر کے وقت ایک جوان آیا جسین یکین صحیف رخدا جانے مروان غیب میں سے تھا یا کون تھا۔ اس نے آتے ہی مجھے خطاب کر کے یہ شعر پڑھا۔

آن روز کہ مرشدی نبی دانتی  
کہ انگشت نکتے جہاں خواہی شد

له سلطان موز الدین کیقباد (۱۴۶۹ھ-۱۵۰۸ھ) براخان کا لٹکا اور عزیاث الدین بلیج کا پوتا تھا۔ ۳ سال حکومت کی۔

نه سرتیار احمد خاں آثار الصنادیہ میں لکھتے ہیں۔ موز الدین کیقباد نے ۱۴۸۶ھ میں ایک قلعہ بنوایا اور بیکلوجھری اس کا نام رکھا اگرچہ اس قلعہ کا اب نشان نہیں یکین اسی جگہ ہلاؤں کے مقبرے کے پاس موجود بیکلوجھری موجود ہے اور دس پارچی جھونپڑے موجود ہیں۔ ۲۲۔ آثار الصنادیہ، باب ۱، ص ۲۷

جب روزِ خدا نے تم کو چاند بنایا تھا۔ اسی روزِ بھنا پاہتے تھا کہ ساری دنیا کی انگلیاں تمہاری طرف اٹھیں گی، حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اس نے کچھ اور باتیں کہیں جس کو میں نے لکھ لیا ہے۔ اس کے بعد اس نے تیر کہا کہ پہلی مرتبہ آدمی کو مشہور نہیں ہونا چاہتے۔ اور جب کوئی شخص مشہور ہو جاتے تو پھر ایسا بننا پاہتے کہ کل روز قیامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندہ نہ ہو ناپڑے۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ یہ کیا ہمت و حوصلہ ہے کہ خلق خدات بھاگ کر گوشہ گیری اختیار کی جائے۔ اور یادِ خدا میں مشغول ہو جاتے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ قوت و حوصلہ کی بات تو یہ ہے کہ مخلوق کے باوجود یادِ خدا میں مشغول ہو۔ جب اس نے اپنی بات ختم کی تو میں نے کچھ کھانا لا کر اس کے سامنے رکھا۔ اس نے اپنے نہیں بڑھایا۔ اسی وقت میں نے اپنے دل میں نیت کی کہ میں نہیں رہوں گا۔ جب میں نے یہ نیت کر لی تو اس نے تھوڑا سا کھانا لا کھایا اور چلا گیا۔

**عن عالم**  
عیاث پور کے دوران قیام میں خلق خدا اور طالبین کا رجوع شروع ہوا، اور فتوحات

کادر وادہ کھل گیا۔

منذ کروں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ عیاث پور میں کتنی مدت گزرنے

کے بعد آپ کی ذات با برکات کو مرجیحت اور غیاش بخود کی خانقاہ کو  
شہرست عالم حاصل ہوتی۔ اتنا پتہ چلتا ہے کہ غیاش بخود کا قیام اختیار  
کرنے کے بعد بھی ایک عرصہ تک حسرت اور بے اسبابی کا دور گزرا ہے اسیان  
تک کہ ایک عرصہ تک آپ سخت گئیوں اور لاڈھوپ کے زمانے میں جائے  
مسجد کو جو خاصہ فاصلہ پر تھی جمعہ کے دن بیساکھ پا تشریف لیجاتے تھے  
یہاں تک کہ اس "حسرت" کے بعد "یسر" کا دور آجی۔ اور وہ رجوع عالم شروع  
ہوا کہ اس کے سامنے سلاطینِ دہلی کے درباروں کی عنتمت اند پڑگئی۔  
ایم خسرد کے ان اشاروں کی تقویہ میں سامنے آگئی۔

در جبڑہ فخرِ راٹشاہی در عالم دل جہاں پسناہی  
شاہنشہ بے سرید و بے تاج شاہنشہ بے خاک پاسے محتاج

**سیر الادیار** حاصلب سیر الادیار لکھتے ہیں کہ وارد و صادر میں سے  
پر لیسی ہوا شہری جو آتا اور سعادت تدریبی حاصل  
کرتا۔ کسی کو محروم نہ فرماتے پوشک، نقد، تھالف، جو بھی خدا تجویز کیا  
ہے اُن اُنے جانتے والوں پر صرف ہوتا۔ جو بھی آتا اور جس وقت بھی آتا  
محروم نہ جاتا۔

لہوانَ مَعَ الصُّرُقُ مُسْرًا۔ فَإِنْ مَعَ الصُّرُقُ مُسْرًا بَلْ دُشْوَارِيَ كے ساتھ  
آسانی ہے۔ پیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔ ۱۲۔  
لہ سیر الادیار۔

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ نے فرمایا۔

فتوحات کا یہ حال تھا کہ دولت کا دریا آگے در داڑ سے کے بہت  
تھا۔ کوئی دن فتوحات سے خالی نہ ہوتا۔ صبح سے شام تک لوگ  
تھے بلکہ عشاء تکم۔ مگر لینے والے لانے والوں سے زیادہ ہوا کرتے  
اور جو کچھ کوئی لامساں سے زیادہ حضرتؓ کی عنایت سے  
پائی۔

**بیدار کی بد رہنمای سوال** عادت بمارک تھی کہ جب قیلولہ  
سے اشتنق تودہ باشیں سب سے  
پہلے پوچھتے۔ ایک دن کہ زوال ہو گیا۔ دوسرا سے یہ کہ کوئی آیا تو نہیں، تاکہ  
اس کو انتظار نہ کرنا پڑتے۔

**دنیا سے تنفس اور بدل دعطا** اُنہیں کام جس قدر روحی برہستا  
ہوتی گئی۔ اکثر گریہ فراتے۔ جتنی بڑی فتوحات ہوتیں اتنا ہی زیادہ  
گریہ کرتے اور اتنی ہی زیادہ کوشش فراتے کہ جو کچھ آیا ہے جلد تقسیم  
ہو جائے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد آدمی کو بھیج کر ہدایت فراتے کہ

لے سراج المجالس د توجہ خیر المجالس، محفوظات حضرت خواجہ نصیر الدین  
چراغ دہلویؒ (صلت)۔

لے سیر الادلیا۔ (صلت)۔

جو کچھ ہوتی ہے کہ عوام جاتے۔ جب سب تبتیم ہو جاتا ہو رہنگوں کا پہنچنے  
جاتا تو سکون خاطر ہوتا۔ ہر چند کو جروں اور انہار خالوں کو اس طرح خالی  
کرایا دیتے جیسے جھاؤ دیدی لگتی ہو۔ اس کے بعد مسجد جاتے۔ اگر بادشاہ یا  
یا شہزادوں میں سے کوئی آستانہ پر حاضر ہوتا اور ان کی نذر اور آمد  
کی خبر پہنچتی تو ٹھنڈی سانس بھر کر فرماتے کہ کہاں آتے ہیں فہرست کوت  
غارت کرتے ہیں۔

**زین و جاد سے بہت** امیر حسن علار بنجری فرماتے ہیں  
کہ میں ایک مرتب حاضر تھا ان  
دولوں میں ایک امیر نے بدع اور بہت سی زمین اور اس کے ماز و مالان  
کی دستاویز حضرتؐ کی خدمت میں بھی تھی اور اپنی عقیدت و اخلاص  
کا اظہار کیا تھا جو حضرتؐ نے قبول نہ فرمایا تبیسم ہو کر فرمایا کہ اگر میں اس  
کو قبول کروں تو پھر لوگ کہا کریں گے کہ شیخ باغ کی سیر کو گئے ہیں۔  
اور اپنی کھیتی اور زمین دیکھنے تشریف لے گئے ہیں۔ میرے کام سے  
اس کو کیا مناسبت؟ چار سو زرگوں اور مشائخ میں سے کسی نے زمین  
و جامد و قبول نہیں کی۔

**نبیرہ شاہی دسترخان** تحدیث اتم الصوم تھے۔ لیکن دولوں  
وقت شاہی دسترخان لگتا اور

اوزاع و اقسام کے وافر مقتدار میں پتھرتے جاتے۔ امیر و عنزیب رشاد و گدا شہری و پدر دہسی، صاحب و گناہگار کسی کی تغزیل نہ تھی۔ سب لاک چکنی پڑھ کر کھانا کھاتے۔ لے جانے کی بھی اجازت نہ تھی۔ بعض لوگ کھاتے اور باندھ کر بھی لے جاتے۔ یہ شاہی دستخوان اپنی نوعیت میں بیٹھا تھا۔ اسی دستخوان پر پیچھہ کو سیکڑوں ہزاروں عزیز کو وہ کھانے نصیب ہوتے جن کے انہوں نے نام ہی نام سننے تھے۔ بڑے بڑے اصرار دربار اور اعیان سلطنت کو بھی اس دستخوان پر حاضری کی آرزو ہوتی تھی اور اس کھانے کی لذت کو وہ یاد کرتے تھے۔ ہدایت و ارشاد اور سلوک و تربیت کے فیض عام کے علاوہ جن کادر و اونہ ہر وقت کھلارہتا تھا، حضرت خواجہ کایا بھی فیض تھا جو دلی میں اپنی پلوری روائی کے ساتھ جا رہی تھا۔ اور جو ہزاروں بندگان خہاکی پر وشی کا ذریعہ تھا۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے درویش کے اس خوان سلطانی کا ذکر کرتے ہوئے خوب لکھا ہے۔

آن جن چیزوں پر الوانِ لفمت کے قصوں کے ساتھ عنزیبوں کا دکھڑا رہا جاتا ہے۔ گویا یہ بھی ایک قسم کی حدیث المأموہ (قبل ٹاک) اور سخنم کرنے کا چورک ہے۔ ان کو کیا معروف کہ اسلامی تاریخ میں عنزیبوں اور امیروں کے درمیان موفیہ اسلام کی بہی خالقاہیں درمیانی کریمی کا کام دیتی تھیں ان بزرگوں کا دبار وہ دریا تھا جہاں سلاطین بھی خراج

داخل کرتے تھے۔ خود سلطان المشائخ کا کیا حال تھا۔ اگرچہ کہ  
کوئی عہد سلطنت خضر خاں تک آئی دربار کا حلقة بگوش تھا  
علام الدین جو سلسلہ سہندرہستان کا خراج وصول کرتا تھا لیکن  
ایک خزانہ وہ بھی تھا جس میں اسے بھی مالگزاری داخل  
کرنی پڑتی تھی۔ ..... سبھی خانقاہیں تھیں جن کے  
ذریعہ سے ملک کے عام غریب افقر ایک ان کا حصہ پہونچ  
جاتا تھا۔ اور سبھی مطالب ہے اس مشہور فقرہ کا کہ  
”مال صوفی سیل است“

عزیت دامت کا یہ سنگم یعنی صوفیہ صافیہ کا یہ بلقہ جہاں امرا  
و عزیز دو لاویں ایک جیشیت سے حاضر ہوتے تھے۔ اس سے  
عزیب اور حاجتمن مسلمانوں کی کتنی حاجت رواتیاں ہوتی تھیں  
و اقمعیہ ہے کہ اسلامی عہد کا کوئی زمانہ اور ان دونوں ہندوستان  
کا شاید بھی کوئی صوبہ کوئی علاقہ ایسا ہو گا جہاں ...

لَوْفَدَ مِنْ الْعَذِيْرِ لِيَهُمْ ان کے دونوں سے یا یہاں  
اُور ان کے مزدوجوں کے یا  
وَسَرَدُ عَلَى کوہ پونچا دیا جاتے۔  
فَقَرَبُ هُمْ

لے نظام تعلیم (صلحاء)  
تے ایضاً

کے بیوی فرمان کی تعمیل میں ارباب صدق و صفا کا یہ طبقہ مشغول  
ن تھا۔ خصوصاً جس بزرگوں کا کسی خاص وجہ سے اصرار اور ارباب  
ثروت پر اثر قائم ہو جاتا تھا۔ یوں سمجھئے کہ عزیزی کی قسمت  
جگ اٹھتی تھی۔ — اسلام کے ان اکابر کا حال  
پڑھیتے اور اس پر غور کرھیتے۔ آپ کو نظر آتے گا کہ اصرار اور  
عزیز کے درمیان ان بزرگوں کا وجود با جود حلقة احتساب بناتا تھا  
اور میرا خیال ہے کہ ان کی خالقانہ ہوں  
کے لئے خانے جہاں اپنے اندر دوسرے اعزیز رکھتے تھے  
ایک بڑا کام ان سے یہ بھی لکھتا تھا کہ ملک کے عزیزوں  
مسلمانوں، بے دیمیلوں کی پناہ گاہ یہ خالقانہ ہیں جنی ہوئی تھیں۔  
بلکہ ان ہی کے ذریعہ سے عزیز ہوں جک بھی وہ نہیں پہنچ جاتی  
تھیں جن کا نام بھی اس زمانہ کے عزیزوں نے شاید نہ  
شنا ہو۔

### شیخ کی خدمتا

شیخ خود کھانے میں شرکیں ہوتے لیکن اس  
خواہی دستِ خوان پر جس پر انواع و اقسام کے  
کھانے اور الائیں لفعت ہوتے۔ ان کی غذاء عام طور پر ایک یا ادویہ  
روٹی اور کچھ کریہ وغیرہ کی بزرگی یا تھوڑے سے چاول ہوتے۔

ملہ نظام قطیم (صلال)، تھے ایضاً (۱۹۳۰)، تھے سیر الادلیہ۔ ص ۲۹۱

آپ کے ایک مرید با اختصار سولہ ناٹس انڈین بھائی اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں۔

میں ایک مرتبہ دسترخوان پر موجود تھا افطار کے وقت ہیری نظر سلطان المشائخ پر تھی۔ میں نے دیکھا کہ کھانا شروع ہونے کے وقت آپ نے لگری نئے کیلئے جو اتھر بردار کی طرف بڑھایا تھا وہ آخر تک وہی رہا۔ منہ تک آئنے کی نوبت نہ آئی کہ دسترخوان بڑھادیا گیا۔

**شیخ** دسترخوان پر بیٹھنے کا فائدہ اور ترتیب یہ تھی کہ سب سے آگے خدمت نامہ دکانِ مرشد سے نسبت قرابت رکھنے والے ہوتے پھر علماء، بصر رو سارے اشراف۔

**سلطان** سلسلہ چشتیہ کی بنیاد سلطنت سلطان عہد سے ہے۔ ہندوستان کی دینی رہنمائی بلکہ سلطنتِ اسلامی کی تاسیس، اسلامی معاشرہ کی اصلاح اور اس میں روحانیت و ادب کی روح پھوٹکنے کے ساتھ ساتھ ابتداء ہی سے سلطان وقت سے پہلے کے اصول پر پڑی تھی اور یہ اس سلسلہ کا ایک شعار اور مشائخ چشتیہ کا مقصود ترکہ اور امانت بن گئی تھی۔ مشائخ چشتیہ نے اس "شیخ و آن" کو جمع کرنے میں اپنا پورا کمال دکھلایا

تھا۔ ایک طرف وہ دربار کے غلط رجحانات کی اصلاح اور وقت کے قہتوں کے استعمال سے فافل اور نعم اسلام سے خالی اور اس ملک میں مسلمانوں کے مقابل سے بے فکر نہ تھے۔ دوسری طرف وہ ایک اصول اور عقیدے کے طور پر یہ طے کر چکے تھے کہ ان کو دربار سے برداشت کوئی تعلق رکھنا نہیں ہے۔

حضرت خواجہ میں الدین چنپتی<sup>ؒ</sup> سے لیکر خواجہ نظام الدین جب یہ گواہی آیک ٹے خدھہ حقیقت تھی کہ ان کو نہ دربار میں جانا ہے اور نہ مسلمانین وقت سے ملاقات کرنی ہے۔ اس اصول پر یہ حضرات سختی سے کار بند رہے۔ اس کا نتیجہ تھا کہ سیاست کے خارزار میں ان کا دامن کبھی نہیں الجھا۔ اور القبابات سلطنت کا ان کے مرکزوں اور ان کی سرگرمیوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ان کا اخلاص، ان کی بے لوثی اور بے غرضی تمام سیاسی اختلافات کے باوجود مسلم رہی۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ہندستان کی اسلامی تاریخ میں سب سے طویل عرصہ تک اس سلسلہ کو اپنا کام جلدی رکھنے اور ہندستان پر اثر انداز ہونے کا موقع ملا۔ اور شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ اس سلسلہ کو قبول عام اور لبقائے دوام حاصل ہوا۔

حضرت شیخ نظام الدین جب سے شیخ بکریہ کی پاس سے ہندستان کی تحریر روحانی اور تبلیغ و ارشاد ہمارا ہو گر آتے تھے دہلی کے تخت پر یہے بعد دیگر سے پانچ بادشاہ بیٹھے اور انہوں نے بڑے جباود جلال کے ساتھ سلطنت کی لیکن ہوا تے ایک ایسے موقع کے جکہ دینی ہزارہ

در پیشی تھی۔ دماغ کی حلت و حرمت کی مجلسیں مناظرہ، وہ بھی نہ درباریں  
گئے اور نہ کبھی بادشاہ وقت کو اپنے بیان آنے کی اجازت دی غیاث الدین  
بلین کے چہرہ سلطنت میں ان کا آنکھ ببر شہرت و قبولیت لفظ المہار پر  
نہیں پہنچا تھا اس لئے غیاث الدین کو ان کی طرف تو جنہیں ہوتی محلیں  
کیقاباد ہو و لعب اور سیر و شکار میں مشغول رہا۔

جلال الدین خلیل پہلا بادشاہ تھا جو صاحب علم و حلم، جو مرثیہ اس  
اور ارباب کمال کا فادر ان تھا۔ اور حضرت خواجہ کی شہرت بھی اپنے عروج  
پرستی پر چکی تھی۔ جلال الدین نے کمی بار حاضری کی اجازت چاہی لیکن  
کبھی منتظر نہیں ہوتی۔ آخر سلطان نے امیر خسرو کے ماتھے جو سلطان کے  
معحف بردار تھے، یہ منصوبہ بنایا کہ ایک مرتبہ بلا اطلاع حضرت کی  
خدمت میں حاضر ہو جانا ہے۔ امیر خسرو نے مناسب جانا کہ اپنے  
مرشد کو اس کی اطلاع دیکھی جاتے۔ اس لئے کہاگر میں نے اس کی اطلاع  
نہ دی تو شاید میرے حق میں اچھا نہ ہو۔ اگرچہ بادشاہ نے اس بارے  
میں امیر خسرو کو اپنا رازدار بنایا تھا لیکن اپنے مرشد سے رازداری امیر خسرو  
کو مناسب نہ معلوم ہوتی۔ امیر نے حضرت خواجہ سے جا کر عرض کیا کہ  
کل بادشاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوگا۔ حضرت خواجہ نے یہ سنتھا  
اپنے مرشد کی تبرکی زیارت کی نیت سے اجر من کارخ فرمایا اور دعا  
ہو گئے۔ بادشاہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو امیر خسرو پر ناراض ہوا کہ  
تم نے میرا راز فاش کر دیا۔ اور حضرت خواجہ کی قد مبوسی کی سعادت

سے معمول کر دیا۔ امیر خسرو نے کہا کہ بادشاہ کی رنجش سے جان جانے کا خوف تھا۔ لیکن مرشد<sup>ؒ</sup> کی رنجش سے سلب ایمان کا خوف تھا۔ بادشاہ حسیم و فرزانہ تھا اس نے اس جواب کو پسند کیا اور خواہوش ہو گیا۔

## سلطان علاء الدین فاتحان اور مقبولیت

سلطان علاء الدین جل جی جو ہندوستان قدم کیم کا سب سے باجروت اور اقبالہ بادشاہ اور سکندر شانی ہے۔ اپنے چیا جلوں الدین کے بعد تخت سلطنت پر پڑھا اتنا میں اس کو حضرت خواجہ<sup>ؒ</sup> سے ذکری خاص عقیدت تھی کہ تنفر تھا بیعنی لوگوں نے سلطان کو حضرت خواجہ<sup>ؒ</sup> کی طرف سے بدگمان کرنے کی کوشش کی اور ان کی مقبولیت اور رجوع عام سے سلطنت کے لئے خطرات ثابت کئے۔ سلطان علاء الدین نے امتحاناً ایک عزیزہ آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے اور ولی عہد خزر خاں کے لئے تھیجا۔ جس میں آپ سے انتظام سلطنت کے بارے میں مشورے اور انصاف کی درخواست کی گئی تھی۔ جب خزر خاں یہ خط لیکر خواجہ<sup>ؒ</sup> کی خدمت میں آیا۔ آپ نے وہ کاغذ ہاتھ میں لے لیا اور اس کا مضمون بھی نہیں پڑھا۔ حاضرین مجلس سے فرمایا کہ ہم دعا کرتے ہیں۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ درویشوں کا بادشاہ ہوں سے کیا کام ہے میں ایک فقیر آدمی ہوں۔ شہر کا ایک گوشہ اختیار کر رکھا ہے بلوشاہ اور مسلمانوں کے لئے دعا اگر گوئی میں مشغول ہوں۔ اگر اس وجہ سے بادشاہ کو مجھ سے کچھ لقرضنا کرنا ہے۔ میں سیماں سے بھی چلا جاتا ہوں۔

اللہ کی زمین کریں ہے بسلطان علام الدین اس جلوب سے بہت خوش ہو گا وہ کہا  
کہ میں جانتا تھا کہ حضرت خواجہ کو امور سلطنت کی سیاست سے کوئی سروکار  
نہیں لیکن بد خواہ چاہتے ہیں کہ مجھے مردان خدا سے لڑاکیں اور اس طرح  
ملک تباہ ہو جائے گا۔

**سلطان نے حضرت خواجہ**  
**بادشاہ کے آنے سے بند رت**  
بے بڑی معذرت کی  
اور کہلوایا کہ میں آن مخدوم کا معتقد ہوں۔ مجھ سے گستاخی ہوتی معاف  
کیا جاتے اور حاضری کی اجازت دی جائے کہ قدمبوسی کی سعادت حاصل  
کروں۔ حضرت خواجہ نے ارشاد فرمایا کہ آنے کی حاجت نہیں۔ میں غائبانہ  
ڈھا کر تما ہوں۔ اور غائبانہ دھا جو سی موثر ہوتی ہے۔

**سلطان نے اس کے بعد بھی**  
**نذر کے دو دروازے**  
ملقات کے لئے بڑا اصرار کیا  
حضرت نے فرمایا کہ اس فقیر کے گھر میں دو دروازے ہیں۔ بادشاہ اک  
دروازے سے آئے گا میں دوسرا سے دروازے سے باہر چلا جاؤں گا۔

لے سیر الاولیا۔ ۱۳۷۰ م ۱۲۴۶ھ

لے سیر الاولیا۔ ۱۳۷۰ م ۱۲۴۶ھ

**غیر اسلام** اگرچہ علام الدین حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہو سکا۔ لیکن اس کو آپ سے برآبر عقیدت رہی۔ اور وہ فرماتا ملطفت اور فکر و تردید کے موقع پر حضرت خواجہ سے رجوع کرتا رہا۔ ایسے موقع پر وہ آپ سے مذکور کی درخواست کرتا اور آپ اہتمام کے ساتھ دعائیں۔

فاصنی صنیا۔ الدین بردنی لکھتے ہیں کہ جب ملک نائب (کافور) دہلی کے حصار میں مشغول تھا۔ تند کانہ کاراستہ پر خطر ہو گیا۔ تھا۔ راست کے تھانے اور پر کیاں بھی اٹھ گئیں تھیں۔ چالیس روز سے زیادہ ہو گئے تھے کہ شکر کی سلامتی کی اور خیریت کی مطلاع سلطان تک نہیں پہنچی تھی۔ ملٹا کوڑا تردد تھا۔ اکثر اعیان اور اسراء دربار کا خیال ہوتے تھے کہ تھا کہ شکر کسی حادث یا فتنہ کے نزد ہو گیا کہ سلسلہ رسول و رسائل منقطع ہو گیا ہے۔ اسی فکر و تردید کے ایام میں ایک روز سلطان نے ملک قراچی اور فاصنی مفتیش الدین بیانوی کو حضرت خواجہ کی خدمت میں بھیجا اور کہلایا کہ شکر اسلام کی خیریت نہ معلوم ہونے سے مجھے سخت تردید ہے۔ آپ کو اسلام کا غم اور فکر مجھ سے زیادہ ہی ہے۔ اگر نور باطن سے آپ کو تھکر کا کوئی حال معلوم ہو تو مجھے مطلع مسروور فرمائیں۔ سلطان نہیں قاسم لے جانے والوں کو برداشت کی کہ حضرت کی زبان سے اس موقع پر جو کچھ ملک اس کو محفوظ رکھیں۔ اس میں کوئی کمی پیشی نہ کریں۔ وہ دو لفظ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ سلطان کا پیغام پہنچایا۔ آپ نے پیغام

سننے کے بعد بادشاہ کی فتح و لفترت کا حال پیان کرنا شروع کیا اور فرایا کہ  
فتح کیا ہے ہم اور فتوحات کی بھی امید رکھتے ہیں۔ یہ سنکر ملک قراچیگ  
اور قاضی مغیث الدین شاداں و فرجاں والپیں آئے اور سلطان کو جواب  
سنا۔ سلطان یہ جواب سنکر سبیت خوش ہوا۔ اس کو یقین ہو گیا کہ وہ لعل فتح  
ہو چکا۔۔۔ اسی روز نماز عصر سے فارغ ہوتے تھے کہ ملک نائب  
کے قاصد پہنچے اور وہلک کافتح نامہ لاتے۔ جمعہ کے دن وہ فتح نامہ منزروں  
پر سے پڑھ کر سنایا گیا۔ سجن میں خوشی کا نقاہ بجا اور خوشیاں مناقیب گئیں  
سلطان کا اعتقاد اور برقہ گیا۔۔۔

ایک دوسری مرتبہ جب مغل دہلی پر حملہ اور ہوتے سلطان نفس نفیس  
چنگ میں شریک تھا۔ اس نے حضرت خواجہ<sup>ر</sup> کی خدمت میں عرض کر دیا  
کہ یہ بڑا اہم موقع ہے۔ آپ متوجہ ہیں۔ حضرت خواجہ نے تمام اہل  
خانقاہ سے ارشاد فرایا کہ متوجہ الی التبریں اور خدا میں مسلمانوں کی  
فتح کی دعا کریں۔ چنانچہ سب مشغول رہئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں فتح  
کی خبر آئی۔ مغلوں نے شکست فاش کھاتی ہو۔

قاضی صیا۔ الدین سلطان علام الدین کے اہل دربار میں سے تھے کہتے  
ہیں کہ اپنے پادرے عبد حکومت میں کبھی سلطان کی زبان سے حضرت خواجہ کے

بارے میں کوئی خلاف شان بات نہیں تھی۔ اگرچہ دشمن اور حاصلین شیعہ کی شاہزاد ولاد و عرش رجوع خلاف اور شاہی لٹکر کو سلطان سے رنگ آئیزی اور ایسے طریقے پر بیان کرتے کہ سلطان پر گمان ہو جائے لیکن سلطان نے کبھی اس کی طرف اتفاق نہیں کیا اور خاص طور پر اپنے آخر عہد میں اس کو حضرت سے غایت درجہ کا اخلاص و اعتقاد پیدا ہو گیا تھا۔ اس سب کے باوجود کبھی ملاقات کی نوبت نہ آئی۔

## سلطان قطب الدین کی منح الشفعت اور اس کا قتل

سلطان خلار الدین کے بعد اس کا دوسرا بیٹا قطب الدین مبارک شاہ ولی عہد سلطنت خزرخاں کو محروم و مکبول کر کے خاصباہ تخت سلطنت پر پہنچا۔

خزرخاں پونک حضرت والا کامر پرستھا اور وہی علاء الدین کا فیل عہد تھا جس سے قطب الدین نے حکومت عصب کی تھی۔ اس لئے قطب الدین حضرت سے کبھی ناراض رہتا تھا۔ اس نے اپنی ایک نئی جامع مسجد (جامع میری) کے نام سے بنوائی تھی۔ اور تمام شاخے و علماء کو حکم تھا کہ اسی میں اکرم ناز جمعہ ادا کریں۔ سلطنت المشائخ نے کہلا بھیجا کہ "امسجد نزدیک داریم و ایں احتی استہیں چا خوا جمگ کمزار" (ہمارے قریب ایک مسجد ہے اس کا حق زیادہ ہے ہم وہیں نماز پڑھیں گے) اور وہ جامع میری نہیں گئے۔

بادشاہ احتت برافروختہ ہوا۔ اسی کے ساتھ ہر نوچندی کو اجیان  
اور مشاہیر شہر و بادشاہی میں پیش ہو کر نذر گزارتے تھے۔  
سلطان المشائخ اس تقریب میں بھی شرک نہیں ہوتے تھے  
اداۓ رسم کے لئے اپنے خادم اقبال کو بھیج دیتے تھے۔ اس  
سے بھی وہ بروم تھا۔ اس نے اپنے تمام امراء و فوجاء  
کو حکم دیا کہ

”کے بزرگارست شیخ عیاش پور نہ رو“

”کوئی شیخ کی نیلات کیلئے عیاش پور نہ جاتے،“

امیر خسروؒ نے لکھا ہے کہ تبدیلی گفت کہ ہر کوئی شیخ بود چنان  
تھا کہ اس نہ رو، ”د جو شیخ کا سر لائے گا اس کو ہزار تنک درون گلہ  
ایک رو زیست خیا۔ الدین روئی کی درگاہ میں سلطان جی اور  
قطب الدین کا آتنا سامنا بھی ہو گیا۔ سلطان جی نے بھیثیت  
ایک سلطان ہونے کے سلام کیا۔ قطب الدین نے جواب نہ  
دیا۔ یوں سلسل و اقتات قطب الدین کی حکومت کے چار  
سالہ تھت میں پیش آتے رہتے۔ نوچندی کی حافظی پر اصرار  
کا قدر سب سے آخر میں پیش آیا۔ قطب الدین نے بھرے  
دربار میں اعلان کیا کہ اگر در عزاد ماہ آئندہ نیا مد بیان کر جائے

کو داشم "گھیا" ہے اس کی دمکی تھی کہ بزرگ حکومت دار پار  
 میں گھٹو اکر بلاؤں گا۔ شایق قتل ہتی کا ارادہ ہو۔ سلطان نبھی  
 کو بادشاہ کے اس عزم صورت کی خبر سن پی۔ سلطان المشائخ یعنی  
 گفت۔ اب ہبہ ایک ایک کر کے ختم ہو تو اجارہ اتنا ہے۔ ہر جو ہے  
 اونز دیک رہیں سید التفات ملکمان را روئے مشیر ہی وادی۔ ہبہ  
 چنانزدیک اکر اتنا ہاں تعلق کا لکھ و تردید ہوتا جاہ اتنا چار جانش  
 مغرب کے بعد دیکھا گیا۔ کل سہی نام منع ہے۔ شہر کے اعیان  
 دار، داریار میں جائیں گے۔ لیکن سلطان المشائخ یعنی ط  
 کتے ہوتے ہیں کہ میں نہیں جاؤں گا۔ قطب الدین یہ فیصلہ کئے  
 ہوتے ہے کہ "اگر نیا امیریا یہ چنانکہ داشم"۔ صرف شب  
 درمیان است۔ دلی میں کھلبی چمی ہوتی ہے۔ دنیا اور دنی  
 کے دو بادشاہوں کا کل معرکہ ہے۔ رات گزرنے بھی سپاہی  
 کو "اہم دریں شب ماہ بلاستے ان آسان برجان بادشاہ نازل ہو"۔  
 داسی شب ماہ میں بادشاہ کی جان پر آفت آسانی نازل ہوئی،  
 یعنی "خر و خاں موئے سلطان را گرفت و باہم درآفختند۔"  
 پہلوئے سلطان را پھر خسکافہ بزرگ ملن اناخت و سر آں  
 مشو مرا از تن جلا کر دہ از بام ہزار ستون بنی سدر افگنستان (بلجبلی)  
 خرو خاں نے بادشاہ کے سر کے بال پکڑے۔ دلوں باہم دست  
 دگر بیان ہوتے خرو خاں نے سلطان کے پہلو کو خبر سے سمجھ

کرنیں پر ڈال دیا۔ اور اس شامست زدہ کاستن سے  
جدا کر کے بامِ ہزار ستون سے نیچے زین پر کھینک دیا۔

لہ نظام تعلیم و تربیت منڈل سیراللہولیا سیلیہ واللہ تعالیٰ چکر تاریخ و افسوس دریج  
نہیں۔ صڑھا اور ملا جاتا ریخ فرشتہ جلد اول میں بعض تذکرہ قطب الدین سلطان کے  
قتل کی تاریخ شب بیسم اللہ العالی (۱۷) صڑھ کو رہے جس کے ساتھ تو چندی کے  
سوام کی روایت اور چاندرات میں باادشاہ کے قتل کا واقعہ میں نہیں کھا آ رہا (۱۸) بھر  
اسی کتاب کے جلد دوم میں جہاں حضرت سلطان المشائخ کا ذکر ہے وہاں سلطان  
کے قتل کی تاریخ ۲۹ روشنالکمی ہے اور افسوس کا ذکر نہیں دیا (۱۹) جلد تیسرا  
یکن اس سلسلہ میں سب سے قدیم تر اور قابل اعتماد اخذ امیر خسرو کی مشنوی تلقی نہیں  
ہے جو سلطان غیاث الدین تلقی کے عہدکی تصنیف اور امیر کی مستند و شہنشہ  
ہے اس میں انھوں نے نہایت صراحة سے لکھا ہے کہ قطب الدین کا قتل جملہ اللہ  
۲۰۔ حد کی میں چاندرات کو واقع ہوا۔ وہ ہزار تین بیس۔

پھول تاریخ عرب شعر مخدود تربیت ثبات قطب شد کم چاہب ریاست  
جادو و سین راشد پریدار ہلال تیر و تاریک دیدار  
مبادر کیک بقدر از حالت تیغ بناخن کر دہ خود را پیش ازاں ساخت  
شد آں مذہب رہ گیہاں تھارک مگر بر طالع سلطان تبارک  
تلقی نامہ ملا طیح چیدا باد  
ان اشعار سے تاریخ کا بھی صحیح تین ہو گیا اور واقعہ کی نوعیت و اہمیت کی تصدیق  
ہو گئی۔ ۲۱

## شہنشاہ لٹنگر

اسی زمانہ میں جب سلطان قطب الدین کی طرف  
سے اس بات کی خاص روک تھام تھی کہ امراء بلاد

اور اعیان سلطنت کی طرف سے حضرت خواجہ کی خدمت میں کوئی نہ رہ  
پیشکش نہ ہونے پاتے تاکہ دیکھا جاتے کہ یہ شاہزادہ لٹنگر خانہ کس طرح چلتا  
ہے۔ آپ نے خاص طور پر تائید فرمائھی تھی کہ اس زمانہ میں کھانا نازیلہ  
پکایا جاتے اور دستِ خوان و سمع سے وسیع تر کر دیا جاتے جو حضرت شیخ  
نسیر الدین حسروں درملیٰ نے فرمایا۔

ایک بار سلطان قطب الدین کو کسی پرخواہ نے کہا کہ شیخ ہماری  
فتوحات قبول نہیں کرتے۔ اور امراہ و مرداروں کی لاقی ہوتی  
فتوحات قبول کرتے ہیں۔ آخر وہ سب بھی تو آپ ہی کے  
سہماں سے لے جاتے ہیں۔ سلطان قطب الدین نے یہ بات  
ہمچنان کہ حکم کیا کہ کوئی امیر یا صدر ارشیع کے ہیماں نہ جاتے۔  
ذیکیو وہ اس قدر دعوت لوگوں کی ہیماں سے کرتے ہیں۔ اور  
ہماسوں مقرر کئے کہ دیکھتے رہیں جو امیر و ہاں جاوے مجھے اگر  
اطلله کریں۔ جناب شیخ نے جب یہ سنافرمایا کہا ناجھ ہے  
مزیاد پکایا جاوے۔ ایک مدت بعد سلطان نے لوگوں سے  
دریافت کیا کہ خانقاہ شیخ کا کیا حال ہے؟ انھوں نے  
عرض کی کہ سابق جس قدر پکتا تھا اب اس سے دو گناہ پکتا ہے  
باو شاہ پرستگار پہشان ہوا کہا میں غلطی پر تھا۔ آپ کا معاملہ

علم عینیب سے ہے۔

## عیاث الدین تعلق کا عہد اور سرکاری مجلس ناظرہ

قطب الدین مبارک شاہ کے بعد چند ہیئتے خسروخان نے غاصبانہ سلطنت کی اور شعائر اسلام کو سرخون کر کے اسلام کی خذلیل کی۔ ۲۱ صدی عیاث الدین تعلق دلک غازی نے خسروخان کو قتل کر کے تعلق خاندان کی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ سلطان عیاث الدین اگرچہ صاحب علم تھا لیکن شریعت اور علم کا احترام کیا کرتا تھا۔ حضرت خواجہ ساع سنتے تھے ان کی وجہ سے دہلی میں اس کا عام ذوق اور رواج ہو گیا تھا۔ ایک شخص شیخ زادہ حسام الدین فرمام نامی جو ایک عرصہ تک حضرت خواجہ کے سایہ عاطفت میں رہتا اور باوجود بجاہ وہ کسے ذوق و شوق اور عشق کی دولت سے فیضاب نہیں ہوا کہا تھا۔ نیز قاضی جلال الدین الولائی نائب حاکم مملکت کو بھی اپنی درود و نعمت سے ایک طرح کی کہ تھی۔ قاضی صاحب اور دروس سے علماء نے شیخ زادہ حسام کو آمادہ کیا اور اس نے بادشاہ کو متوجہ کیا کہ خواجہ نظام الدین مقتدراتے زمانہ ہیں اور وہ

لے خیر المجالس مانعہ از ترجمہ ملت  
تمہ سمع کی حقیقت اغراض و مقاصد اور اس کے ادب و احکام کی بحث چوتھے  
باب "اذواق و کیفیات" میں ملاحظہ ہو۔ ۱۲

سماں سنتے ہیں جو امام اعظم کے نسبت میں حرام ہے اور ان کی وجہ سے  
بزار مغلوق اس فضل منزوع کا ارتکاب کرتی ہے۔ سلطان اس سند سے بے  
خبر تھا۔ اس کو تعجب ہوا کہ ایسے بزرگ جو مقتولتے عالم ہیں ایسا نام شروع  
کام کیسے کرتے ہیں۔ لوگوں نے سماں کی حملت کے فتوے اور کتب شرعیہ کی  
روايات بادشاہ کے ساتھ پیش کیں۔ بادشاہ نے کہا کہ بچوں کے علماء دین نے  
سماں کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے اور وہ اس کو منع کرتے ہیں اس لئے حضرت  
خواجہ اور تمام علماء شریف اور صدرو اکابر کو طلب کیا جاتے اور ایک مجلس  
منعقد کی جاتے تاکہ یہ تحقیق ہو جاتے کہ حق کیا ہے۔ میر خود دکنیا سے  
اس کی تفصیل سینتے۔

قصر شاہی میں حضرت خواجہ کی طلبی ہوتی۔ حضرت خواجہؒ یعنی اللّٰهُمَّ إِنِّي أَنْصَطْتُ إِلَيْكَ مَا ثَانَتْتُ إِلَيْكَ وَمَا تَثْنَيْتُ إِلَيْكَ وَمَا تَثْنَيْتُ إِلَيْكَ وَمَا تَثْنَيْتُ إِلَيْكَ  
کاشانی اور مولانا فخر الدین ازدادی کی میمت میں کہ دونوں سرآمد علماء۔

اور اس آنذہ وقت تھے جعل میں قشریت لے گئے۔ پہلے قاضی  
جلال الدین نائب حاکم نے حضرت خواجہ کو دعطا و نصیحت شرعاً  
کی اور ملائکہ طریقے پر آپ سے خطاب کیا۔ یہاں تک کہا  
کہ اگر اس کے بعد آپ نے سماں کی حملت کا دعویٰ کیا تو اسے سماں  
تو میں حاکم شرعاً ہوں۔ میں آپ کو مزدوروں کا۔ یسنکر حضرت  
خواجہؒ کو جلال آگیا اور فرمایا کہ جس منصب کے بھروسہ ہوئے  
بات کہہ رہے ہو اس سے مزدول ہو جاؤ گے چنانچہ تھیک  
بارہ روز بعد قاضی اپنے منصب سے مزدول ہو کر دہلی سے

روانہ ہو گئے۔ خلاصہ یہ کہ اس مجلس مباحثہ میں شام علماء اکابر  
 صدور و امراء و ارکان سلطنت حاضر تھے۔ بادشاہ اور سب  
 حاضرین مجلس کی توجہ حضرت خواجہ کی طرف تھی۔ اور سب  
 آپ کی تعظیم کرتے تھے۔ شیخ زادہ حسام نے کہا کہ آپ کی مجلس  
 میں ساعت ہوتا ہے لوگ قصص کرتے ہیں۔ آہ و لغڑا کلتے ہیں  
 اسی طرح اور بہت سی باتیں کہیں۔ حضرت خواجہ نے شیخ زادہ کی  
 طرف دیکھا اور فرمایا۔ شورست کرو۔ زیادہ بولنے کی ضرورت  
 نہیں پہلے یہ بتلو۔ کہ ساعت کی تعریف کیا ہے؟ شیخ زادہ حسام  
 نے کہا کہ میں نہیں جانتا۔ البتہ اتنا جانتا ہوں کہ علماء ساعت کو حرام  
 کہتے ہیں۔ حضرت خواجہ نے فرمایا۔ کہ جب تک کوئی ساعت کے معنی ہی نہیں  
 معلوم تو مجھ تھا کہ کہنا انہیں ہے۔ اور نہ کہتا چاہیے۔ شیخ زادہ  
 حسام خزمیدہ ہوا۔ بادشاہ پوکی توجہ سے آپ کی تقریر شن  
 ر راتھا جب کوئی زندہ بات کرتا تو کہتا کہ شورست کرو۔ سنو  
 کہ شیخ کی فرماتے ہیں۔ حاضر الوقت علماء میں مولانا احمد الدین  
 اور مولانا شہاب الدین ملکانی غاصق تھے۔ مولانا احمد الدین نے  
 اتنا فرمایا کہ یہ مدعی حضرت خواجہ کی مجلس کا جو حال بیان کرتے ہیں  
 یہ واقع کے خلاف ہے میں نے خود دیکھا ہے اور بہت سے  
 مثالیں اور درویشوں کو سمجھی میں نے دیکھا ہے —  
 اسی دوستان میں شیخ الاسلام شریعت بہار الدین زکریا المانی رحمۃ اللہ علیہ کے

نوازے مولانا علم الدین آگئے۔ بادشاہ نے ان سے کہا کہ آپ بھی  
 عالم ہیں اور کستیاں بھی اس وقت ساعت کی بحث در پیش ہے میں  
 آپ سچے لوچھتا ہوں کہ ساعت مناسخ رام ہے یا حلال؟ مولانا علم الدین  
 نے کہا کہ میں نے اس باب میں ایک رسالہ التصینیف کیا ہے اس  
 میں اس کی حرمت و حلت کے دلائل نقل کئے ہیں تحقیق یہ  
 ہے کہ جو دل سے سنتے ہیں ان کیلئے حلال ہے اور جو نفس سے  
 سنتے ہیں ان کے لئے حرام۔ اس کے بعد بادشاہ نے مولانا علم الدین  
 سے پوچھا کہ آپ بغداد و شام و روم ہر جگہ پھر چھے میں وہاں  
 کے مشارع ساعت سنتے ہیں یا نہیں اور وہاں کوئی منع کرتا ہے۔  
 مولانا علم الدین نے فرمایا کہ ان سب شہروں میں بزرگ  
 و مشائخ ساعت سنتے ہیں اور بعض دن و شبیان کے ساتھ  
 بھی، کوئی منع نہیں ہوتا۔ اور ساعت مشائخ کے درمیان حضرت  
 جنید و شبیلیؓ کے وقت سے مردج چلا آرہا ہے۔ بادشاہ مولانا  
 علم الدین کی زبان سے یہ سنکر خاموش ہو گیا۔ اور اس نے پر کھجھ  
 نہیں کہا۔ مولانا حلال الدین نے عرض کیا کہ بادشاہ ساعت کی حرمت  
 کا فرمان صادر کر دیں اور امام عظامؐ کے مذہب کی پاسداری  
 فرمائیں۔ اس پر حضرت خواجہ نے بادشاہ سے کہا کہ میں چاہتا  
 ہوں کہ آپ اس بارے میں کوئی فرمان جا رکی نہ کریں۔ بادشاہ  
 نے آپ کا یہ مشودہ قبول کیا اور اس بارے میں کوئی فیصلہ صادر

نہیں کیا۔ مولانا فخر الدین (جونبلس میں حاضر تھے) کا بیان ہے کہ  
ابتدائی چاشت سے زوال تک یہ بحث جاری رہی۔ اب مجلس  
تحریکم کی کوئی دلیل نہیں دے سکے اور آخر میں اس پر بحث  
اگر ختم ہو گئی کہ اس کا ترک اولی ہے یا اس کا فعل۔ دوسری  
روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ باادشاہ نے فیصلہ کیا کہ حضرت  
خواجہ سارع شاہ سن سکتے ہیں۔ اور کسی کو ان کو منع کرنے کی  
اجازت نہیں لیکن یہ روایت مرجوح ہے ——————  
انھیں دلوں میں کسی نے حضرت خواجہ سے کہا کہ اب تو سارے  
کے لئے فرمان سلطانی ہو گیا ہے کہ آپ جس وقت چاہیں سارے میں  
وہ حلال ہے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اگر وہ حلال ہے  
تو کسی کے کہنے سے حرام نہیں ہو سکتا۔ مجلس کے اختتام پر  
باادشاہ نے حضرت خواجہ کو بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ  
رخصت کیا۔

## مجلس مناظرہ کا حال حضرت خواجہ کی زبان سے

فاصنی صنیاں الدین برلن اپنی کتاب "حضرت نامہ" میں لکھتے ہیں کہ  
جب حضرت خواجہ اس مجلس سے فارغ ہو کر مکان پر تشریف لاتے تو

اپ نے ناز ظہر کے وقت مولانا حمی الدین کاشانی اور امین حسرو کو طلب فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ دری کے علماء عادات و حدیث سے بھرے ہوتے تھے انہوں نے دوسرے میدان پا لیا اور دشمنی کی بہت سی باتیں کیں۔ بحاجات بات یہ دیکھی کر صحیح احادیث بنویٹ کا سنتا ان کو گواہ سنیں تھماں ان کے جواب میں یہی کہتے تھے کہ ہمارے شہر میں فقیر پر عمل حدیث پر مقدم ہے۔ یہ باتیں وہی کہہ سکتے ہیں جن کا احادیث بنویٹ پر اعتقاد نہ ہو۔ میں جب کوئی صحیح حدیث پڑھتا تو وہ ناراض ہوتے اور کہتے تھے کہ اس حدیث سے امام شافعی استدلال کرتے ہیں اور وہ ہمارے علماء کے دشمن ہیں۔ ہم نہیں سنبھلیں گے معلوم نہیں کہ یہ باعتقاد ہیں یا نہیں۔ اولو الامر کے سامنے ایسی نظر رکھتی سے کام لیتے تھے اور احادیث صحیح کو روکتے تھے۔ میں نے کوئی عالم ایسا دیکھا دیا کہ اس کے سامنے احادیث صحیح پڑھ جائیں اور وہ کہے کہ میں نہیں سنتا۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہ کیا تقصی ہے اور وہ شہر جہاں ایسی جرأت اور زبردستی کی جاتی ہے وہ کیسے آباد رہ سکتا ہے تجھب نہیں کہ اگر اس کی ایسیت سے انسیٹ نک جاتے۔ اس کے بعد بادشاہ اور امرا اور عوام جب قاضی شہر اور علماء شہر سے یہ سنبھالیں گے کہ اس شہر میں حدیث پر عمل نہیں ہوتا تو ان کا حدیث بنویٹ پر اعتقاد کیسے رہے گا۔ مجھے ڈر ہے کہ علماء شہر کی اس برقیتگی کی خوبست سے آسمان سے بلاد جبار و قحط و دیاب برستے۔

لہ سیر الاولیاء ص ۵۹۶ و ۵۹۷۔

## دہن کی تباہیں

اس واقع کے تھیک چھٹے سال حضرت خواجہ کی وفات  
کے بعد سلطان عیاث الدین قلعہ کے فرزند اور جانشیں

محترف تھا نے ولی کو بالکل خالی کر دینے اور دیلوگیر (دولت آباد) منتقل ہو جانے کا فرمان چارسی کیا اور اس میں ایسی صمد اور عجلت سے کام لیا کہ حقیقتاً شہر کی ایسٹ سے اینٹ بن گئی اور ولی ساٹھزار و آباد شہر جس میں پہلے رہنے کو وجہ نہیں ملتی تھی ایسا خالی ہوا کہ سواتے جنگلی جانوروں اور درزدروں کے دام کی قیض کی شکل نظر نہیں آتی تھی۔

محرقاں میں تاریخ فرشتہ میں لکھتا ہے۔

احد سے از مردم در بی را کرباب	کار پر دازان حکومت نے کمی
و ہوا آں جانو گرفتہ بودند بحال	ایک شخص کو بھی جو دہنی کی آب و ہر ط
خود نگداشتہ طراز بدولت	کا خو گر تھا انی جگہ نہیں بچوڑا سب کو
کلیت دولت آباد دیلوگیر بھیجیدا اور	آباد فرستاد و در بی بخوئے
در بی اس طرح دیران ہوئی کہ	فسد اگشت کہ آواز یتپ
کمی ایک جاندار کی آفاز بھی	منفس بجز شفال در و بیاہ و
سواتے گیڈر، لورڑی اور جنگلی	جانوران صحرائی بگوش نہی
جانوروں کے کان میں نہیں آتی	رسید۔

تمھی۔

وہ تمام علماء جو اس مجلس میں موجود تھے اور دوسرے بھی ان کی بدولت آباد جلاوطن ہوتے دولت آباد پہنچنے تو وہاں سخت قحط اور واکا سانہ کرنا پڑتا۔ ہزاروں راستے میں لقمه اجل بن گئے اور ہزاروں دہائیں پہنچنے کر قحط اور بیماریوں کا شکار ہوتے اور حضرت خواجہؓ کی مشینی گوئی حرف بحروف پلوری ہوتی۔

### **نظام الاوقات**

امیر خور د نے حضرت خواجہ کا نظام الاوقات  
اس طرح لکھا ہے۔

روزہ افطار کرنے کے بعد جو اہل جماعت کے ساتھ ہوتا تھا، اپنے بالاخانہ کے قیام گاہ پر تشریف لے جاتے تھے۔ احباب و خدام جو شہر اور اطراف سے آتے ہوتے ہوتے تھے مغرب و عشاء کے درمیان اور پر ہی بلائے جاتے تھے ایک گھنٹی وہاں ہم نہیں اور ملاقات کا شرف حاصل ہوتا۔ ہر قسم کے تروخک نیوے اور کھلنے پینے کی لطیف ولنیہ جیسیں حاضر کی جاتی تھی۔ حاضرین مجلس تناؤل کرتے، آپ ہر ایک کی ولداری فرماتے اور خیریت و حالات دریافت فرماتے۔

### **انہیں ستر دکنی خصوصیت**

اعشار کی نماز پڑھنے کے لئے پہنچنے پر تشریف لاتے جماعت کے ساتھ نماز پڑھ کر پھر بالاخانہ پر تشریف لے جاتے۔ پکھودیہ مشغول رہتے،

پھر آرام کرنے کے لئے چار پانی پر تشریف لے جاتے، اس وقت خدام نیز  
لاکر آپ کے ہاتھ میں دیتے، اس وقت سواتے امیر خروش کے کسی کے آنے کی  
ہمت نہ ہوتی تھی۔ وہ مانند بیٹھ کر ہر طرح کے قضاۓ اور یادیں کرتے آپ  
پسندیدگی میں سربراہ کو حرکت دیتے۔ وفا تو فتا ارشاد ہوتا کہ ٹرک یا انجر  
ہے؟ امیر خروش و اتنی بات سنکر طویل گفتگو کا موقع نکال لیتے۔ اگر آپ ایک نکتہ  
پوچھتے تو وہ پوری داستان سناتے اس موقع پر بعض کہر بن اعڑا اور بعض  
پروردہ جو حاصل خان تھے حاضر ہوتے اور قد مبسوسي کرتے۔

لہ امیر خروش کو حضرت خواجہ سے جو والہان و عاشقانہ تعلق تھا وہ ان کے سوانح اور  
دیوان سے معلوم ہوتا ہے۔ بیل لگل سے اور پیر وانہ کوش سے جو تعلق ہوتا ہے اسی  
طرح کا تعلق امیر خروش کو اپنے مرشد سے تھا حضرت خواجہ کو بھی اس عاشق صادق سے  
ایسا تعلق تھا کہ فرماتے تھے کہ من از ہر تنگ آیم از تو تنگ نیام۔ مجھے بعض اوقات  
ہر ایک سے دوست ہونے لگتی ہے لیکن اس حالت میں بھی تم نہیں ہوتی۔  
مزید براں ایک با فرمایا۔ از ہر کس تنگ آیم تاحدے کہ از خود تنگ آیم دار تنگ۔  
نیا یہم۔ بعض اوقات اپنے سے بھی اکانے لگتا ہوں۔ مگر تم سناہیں اکتا تا دیر لالہا  
من ۲۰۵)، ایک بار ارشاد فرمایا کہ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ آپ امیر خروش کو جس نظر  
سے دیکھتے ہیں ایک بار وہ نظر مجھ پر رُدال دیتے۔ میں نے اس کو تو ہوتی جواب  
نہیں دیا لیکن میرے دل میں لاؤ کہ اس سے کہوں کر وہ قابلیت تو لاق مبتدا  
لے۔ بحر فی توں گفتہ تمنک چنان را پو من از شوق حضوی طول ادم دلتے را

نخت خسرو میکین از من ہوں شہرا  
کو دیدہ رکعت پایت نہ بخواب شود

**شب کے تباہ کی** جب امیر خسرو اور صاحبزادگان اجازت  
لیکر خصت ہوتے تو اقبال خلام آتے اور

پانی کے بھرے ہوتے چند آفتابے آپ کے دمنو کے لئے رکھ کر باہر چل جاتے  
اس کے بعد حضرت خواجہ خودا ٹھکتے اور دروازہ کو زنجیر لگاتے چھرو ہاں  
کی خبر اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ خدا ہی جانتا ہے کہ تمام رات کیا لازمی از  
ہوتے اور اپنا پناہ کے کیا ذوق و شوق کی باتیں ہوتیں۔ حضرت خواجہ کے  
ماਤھ کے لکھتے ہوتے یہ دو شعر دیکھئے ہیں جو بالکل حسب حال ہیں۔

تہامنہم و شب و چہار عینِ موئش شدہ تا پگاہ رو قدم  
کا ہش ز آہ سرد بکشم گاہ از لف سینہ بر فرند  
کبھی کبھی یہ شربھی آپ کی زبانِ مبارک سے سُنا گجا ہے۔ اور حکایت  
حال ہے۔

بارے بر تماشائے من و شیع بیا  
کو من د کے ناند و اندے در دے

**سحر** سحر کا وقت ہوتا تو خادم آتا اور باہر سے دروازہ پر دھک  
و دیتا، حضرت خواجہ دروازہ کھول دیتے، سحری جس بیمار قسم  
کی چیزیں ہوتیں سامنے رکھتا۔ آپ اس میں سے بہت کم تناول فرائیے باقی  
کے لئے ارشاد ہوتا کہ پتوں کے لئے حفاظت سے رکھ لو خواجہ عبد الرحیم

جن کے ذمہ سحر کا لے جانا تھا۔ بیان کرتے ہیں کہ اکثر ہوتا کہ حضرت خواجہ سعید  
میں سے کچھ نہ کھاتے، میں عرض کرتا کہ حضرت والا افطار کے وقت بھی  
بہت کم کھاتے ہیں اگر سعید بھی کچھ نہ کریں گے تو صفائح بہت بڑھ جائے گا۔  
اس پر گریز فراہتے اور کہتے کہ کتنے غریب اور بے کس مسجد وال کے کوئی  
اور جبوتوں پر بھوکے پڑے ہوتے ہیں اور قادر سے رات گلند دیتے تھے۔  
یہ کھانا میرے حلق سے کیسے اٹر سکتا ہے۔ چنانچہ اکثر اس ہوتا کہ سعید بھی میا جیسی  
لاستاویسی ہی اٹھا کر لے جاتا۔

**صحن کے وقت**

جب دن ہوتا جس کی جمالِ مبارک پر نظر  
پڑتی دیکھنا کہ محلی ہوتی سمتی ہے اور آنکھیں  
بیداری سے شرعاً ہیں۔ ایسے شدیدِ جاہدوں سے بھی آپ کے اندر کوئی  
صنف نظر نہ آتا۔ اور آپ کی کسی ہدایت میں جو آپ کی متمول بخشی تعمیرتِ حقاً  
کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ آپ چار سو یا پانچ سور کعت نماز پڑھتے ہیں یا اتنی  
تبیخ کا متمول ہے۔ عمر عزیز زمان باطنی مشغول ہیں میں اگر ترقی جن کا حال اللہ  
کے سوا کسی کو معلوم نہیں اور دلخوبی اور قلوب کے تفقد و دریافت میں  
مشغول رہتے جس سے افضل کوئی کام نہیں۔ ح

دل بدرست آور کہ ریج اکبر ستر

دن میں تمام روزا پنچ مشارع کے سجادہ پر قبلہ رہ باطنی  
**دل بیس** طور پر شمولِ متوجہ ای ایشتعالِ کائنۃ یعنی الریاء والذکر طرف  
متوجہ ہو کر گویا وہ رہ برو ہے، بیٹھ کر گزار دیتے۔ آنسے والوں میں

مختلف طبقوں کے لوگ ہوتے، علماء و شاعر، صدود و اکابر، منین و شریف  
ہر ایک کے علم و مرتبہ کے مطابق جس کا جو فن ہوتا اس میں اس سے گفتگو  
کرتے اور اس کی دلچسپی فراہتے ظاہری طور پر ان میں مشغول ہوتے اور  
باطن میں بیور سے طور پر مشغول بحثی ہوتے یہ

### **دلداری و تربیت**

نماز ظہر کا وقت ہوتا، نمانادا کرنے کے بعد  
جو عنزہ نقد مبسوی کیلئے آتے ہوتے ہوتے  
ان کو طلب فرایا جاتا اور ان سے گفتگو و دلداری میں کچھ وقت گز تاں جدا  
و ملوک و مجست الہی کے بارے میں ان کی رہنمائی کی جاتی۔ اکابر علماء و مصلحاء  
کی دجوں اس مجلس میں حاضر ہوتے ہوتے نہ ہوتی کہ سرانجام کچھ مبارک  
کو دیکھتے۔ ایسا عجب اور من جانب اللہ عظمت تھی کہ آپ کے چہرے  
پر نظر کرنا مشکل تھا۔

### **قرب سفر**

عمر مبارک جب اشیٰ سے متجاوز ہوئی تو سفر آخرت  
کے آشام نکایاں ہوتے۔ ایک روز ارشاد فرایا گئیں  
نے خواب میں حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ارشاد ہوا۔  
”نظامِ ہم کو تمہارا بڑا استیاق ہے۔“

سلہ سیر الاولیاء، ص ۱۲۵ و ۱۲۶

سلہ سیر الاولیاء، ص ۱۲۷

## خلاف اکابر کو اجازت نامے اور ان کی محبت فروخت

بیماری کے دوران میں آپ نے متعدد حضرات کو خلافت عطا فرمائی۔ اور اجازت نامے لکھ کر دیتے ہوئے افغان ناصر الدین زادوی نے ان کا مضمون تب  
کیا اور شیخین کرمائی نے ان کی تکایت کی، آپ نے ان پر اپنے دستخط بنا کر  
ثبت کئے۔ دستخط کے الفاظ یہ تھے: *مِنَ النَّقِيرِ مُحَمَّدًا بْنَ أَهْمَادَ بْنَ*  
*عَلَيِ الْبَدَأُ فِي الْجَنَاحِي* "ان اجازت ناموں پر" ۲۷ فریضی الحجر ۲۷ ص

درج ہے۔ گویا یہ وفات سے تین ہفتے ۲ دن پہلے لکھے گئے ہیں۔  
جن حضرات کے لئے یہ اجازت نامے تھے ان کو جہاں جہاں وہ تھے  
پہنچا دیتے گئے جو حضرت موجود تھے ان کو بلا کر خود عطا کئے گئے۔ پہلے  
شیخ قطب الدین منور کی طلبی ہوتی۔ سلطان المذاخن نے خلعت خلافت  
عطاف ریا اور وصیت فرمائی۔ اجازت نامہ ان کو مرحمت ہوا کہ جاؤ  
و گذاد ادا کرو۔ دوستوں نے بیمار بکاڈ دی۔ اسی دوران میں شیخ نصیر الدین  
 محمود (چڑاع ذہبی) کو یاد فرمایا گیا۔ ان کو بھی خرقہ خلافت اور اجازت  
نامہ عطا ہوا۔ اور وصیت فرمائی گئی۔ شیخ نصیر الدین محمود ابھی کھڑے  
ہوتے تھے کہ شیخ قطب الدین منور کی دوبارہ طلبی ہوتی۔ وہ آئے تو  
ارشاد ہوا کہ شیخ نصیر الدین محمود کو خلافت کی بیمار بکاڈ دو۔ پھر شیخ

لہ حضرت خواجہ کی وفات، اربعین الآخر، ۲۵ ص ۱۰۷

نصیر الدین محمود سے ارشاد ہوا کہ شیخ منور کو مبارک باد دو۔ دولوں نے ایک دوسرے کو مبارک باد دی۔ پھر دولوں کو لیک دوسرے سے بلکل یہ تو نہ کا حکم ہوا۔ پھر فرمایا کہ تم دولوں بجا تی بجا تی ہو۔ تقدیم و تاخیر کا پچھا جان نہ کرنا۔

### وفات کا حال

وفات سے ہم روز پیشتر استغراقی و تحریر کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ امیر خوردنے تفصیل سے وفات کا حال لکھا ہے۔ ان کا بیان ہے۔

جمہر کا دن تھا سلطان المشائخ پر ایک کیفیت تھی۔ نور تجلی سے ان کا باطن منور ہو رہا تھا۔ نماز کے اندر بار بار حمد سے فرماتے تھے۔ اسی حالت تحریر میں مکان تشریف لاتے۔ گرد یہ میں تمقی ہو گئی۔ روزانہ کمی بار تحریر پڑ داستراق ہو جاتا تھا۔ پھر تو جو ہو جاتی تھی۔ یہی فرماتے تھے کہ جمعہ کا دن ہے۔ دوست کو دوست کا وعدہ یاد آ جاتا ہے اور وہ اس کیفیت میں عرق ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں دریافت فرماتے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے اور میں نماز پڑھ چکا ہوں؟ آگر جواب دیا جاتا کہ آپ نماز پڑھ چکے ہیں تو فرماتے کہ پھر پڑھ لیں۔ ہر نماز کو کمزورا دا کرتے۔ جتنے دن اس حالم میں رہے یہ دو باتیں کمزور فرماتے؟ آج جمعہ کا دن ہے۔ ہم نماز پڑھ چکے ہیں؟ اور کبھی پڑھ رکھتے۔

”می رویم و می رویم و می رویم“

اسی دو لفاظ میں ایک روز تمام خدام و مریدین کو جواہر امن تھے۔ طب فرمایا اور ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم گواہ رہنا کہ اگر اقبال رضا گی نے کوئی چیز بھی لگھر میں جس میں سے بچا لی ہے تو مکمل روز قیامت اس کو خدا کے سامنے جواب دیتا ہو گا۔ اقبال خادم نے عرض کیا کہ میں نے بکھر نہیں چھوڑا ہے۔ سب آپ پر صدقہ کر دیا ہے۔ اور واقعی اس حوالہ میں نے الہامی کیا تھا سواتے اس غلط کے جو چند لوگوں کے لئے فقراتے خلاف تھے۔ کو کفایت کرتا سب کچھ تقسیم کر دیا تھا۔ میر سے چھار سید حسین نے الہامی دی کہ غلط کے سوا ہر جو زرمتا ہوں کہ کبھی کبھی سلطان المشائخ اقبال سے خلاص ہوتے ان کو طلب کیا اور فرمایا کہ اس مرداری پتہ کو کھولوں رکھ جھوڈا ہے۔ اقبال نے عرض کیا کہ غلط کے سوا جو کچھ موجود تھا سب کچھ تقسیم ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خلقت کو بلا ق۔ جب لوگ حاضر ہوتے تو فرمایا کہ غلط کے انبار خانے توڑ دا لو اور تمام عذر بے تکلف انھالے جاؤ اور بیمار جھاڑ دے دو۔ ذرا سی دیرے میں خلقت جمع ہو گئی اور اس نے خلقت کو لوٹ لیا۔ اسی بیماری میں کچھ احباب اور خدھار حاضر ہوتے۔ اور انھوں نے پوچھا کہ

آن فرد دم کے بعد ہم مسکینوں کا کیا حال ہو گا؟ فرمایا کہ بیہان اتنا لمار ہے گا جس سے تمہارا گزر ہو جاتے۔ میں نے یعنی سبتر مشائخ سے سنا ہے کہ لوگوں نے عرض کیکلم کار سے درمیان کون

نصیب در ہو گا، فرایا جس کی قسمت یا درست کرے گی۔ بعض دوستوں اور خادموں نے میرے نام اولاد اشمس الدین و امنافی سے عرض کیا کہ وہ سلطان المغارب سے پوچھیں کہ ہر شخص نے اپنے اپنے اعتقاد کے مطابق آپ کے املاط میں بلند بندر عمارتیں بنالی ہیں اور سب کی نیت یہ ہے کہ آپ اس کی عمارت میں آلام فرمائیں۔ اگر وہ ناگزیر وقت آگئی تو آپ کو کس عمارت میں دفن کریں تاکہ کوئی خود رانی سے کام نہ کرے مولانا شمس الدین نے یہ پیغام پہنچایا تو ارشاد ہوا کہ میں کسی عمارت سے نیچے دفن ہونا نہیں چاہتا۔ میں جنگل میں آسودہ خاک ہوں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کو باہر میدان میں دفن کیا گیا۔ بعد میں سلطان محمد تغلق نے اس پر گنبد تعمیر کر لایا۔

وفات سے بہ روز پہلے سے غذا بالکل ترک فرمادی تھی کھلانے کی خوشبو بھی گوارا نہ تھی۔ لگر یہ اس شدت سے غالب تھا کہ ایک گھنٹے کیلئے بھی آنسو نہیں تھتھتے تھے۔ ۷

گرد بینی گریتے نار مندانی فرق کرد  
کاب حشم است ایں کمیت می رودا آبجد  
اسی درمیان میں اخی مبارک ایک روز مچھلی کا شورہ بہ لائے مخلصین

۷۔ غالباً باشیشی و خلوفت کے متعلق سوال تھا۔

سے یعنی مدفن ہوں۔ ۸

نے بڑی کوشش کی کہ آپ تھوڑا اساتذہ فرمایں۔ سلطان المنشی نے پوچھا کہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا کہ تھوڑا سا مجملی کا شورہ ہے۔ فرمایا۔ بہت ہوئے پانی میں ڈال دو۔ آپ نے کچھ تاذل نہیں فرمایا۔ میرے چپا سیدین نے عرض کیا کہ کتنی دن ہو گئے ہیں کہ آں خودم نے کھانا بالکل چھوڑ دیا ہے اس کا کیا تبیر ہو گا؟ فرمایا۔ سید حضرت رحمات اللہ علی التہ طیب و السلام کی ملاقات کا مشتاق ہواں سے دنیا میں کھانا کیسے کیا جاتے؟ الفرض بہ روز کی مرتب میں جس طرح کھانا تاذل نہیں فرمایا اسی طرح بات بھی بہت کم کی۔ آخر چہار شبب کے دن تک جس دن آپ کی وفات ہوتی ہی بھی حال رہا۔

۱۸ اردیع الآخر ۲۵، ھر کو طلوعِ آفتاب کے بعد زہر و عبادت حقیقت و معرفت اور ہدایت و ارشاد کا یہ آفتابِ عز و بہر ہو گیا۔ نمازِ جنازہ و شیعَۃ الاسلام رکن الدین نبیرہ شیعَۃ الاسلام بہار الدین ذکریا ملتانی نے پڑھائی نماز کے بعد شیعَۃ الاسلام رکن الدین نے فرمایا کہ۔

مجھے اب معلوم ہوا کہ مجھے ہم سال تک دہلی میں اس لئے رکھا گیا کہ مجھے اس نمازِ جنازہ کی امامت کا شرف حاصل ہو۔ صادری عمر تجربہ میں گزری اس لئے کوئی اولاد نہیں تھی۔ روحانی سلسلہ سارے ہندوستان میں پھیلا اور ابھی تک جا رکی ہے۔

شہیر الاولیاء (ص ۱۵۰، تا ص ۱۵۵)۔

## باب دوم

### اخلاق و صفات

**جان اوصاف** حضرت خواجہ نظام الدین کے اوصاف کا خلاصہ اور ان کا سچ ترسیں و جامع ترین تعارف ان الفاظ میں ہے جو عطا تے خلافت کے وقت ان کے صاحب نظر شیخ و مرشد دشیع بکیر حضرت خواجہ فرید الدین مسیح بخاری کی زبان سے نکلے۔ انہوں نے فرمایا۔

پادی تعالیٰ ترا عالم و عقل و عشق اللہ تعالیٰ نے تم کو علم و عقل و دادہ است و بر کر کہدیں عشق بھی دولت عطا کی سہولت و جو صفت موصوف باشد انہیں ان صفات کا مامن ہو وہ مشارع خلافت مشارع نیکو آئیں کی خلافت کی ذمہ دانیاں خوب ادا کر سکتا ہے۔

حضرت خواجہؒ کی سیرت اسی جامیعت کا صریح ہے۔ یہاں علم و عقل و عشق تینوں پہلو پہلو نظر آتے ہیں۔ محبت و معرفت حقیقی اور مشائخ بکار کی تربیت و محبت جو بہترین اثرات و نتائج پیدا کرتی ہے اور جن کے بہترین مجموع کا نام دور آخر میں "نقوف" پڑھیگا ہے۔ یعنی اخلاص و انہاد اُس کی بہترین نمودان کی زندگی میں نظر آتی ہے۔

**ان کی زندگی کا بہترین جو ہر جس نے ان کو اپنے معلمین اخلاص** ہی میں نہیں بلکہ مشائخ اسلام میں ایک بلند مقام اور اپنے زمانہ ہی میں نہیں بلکہ تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں قبولی عام اور بتفاقے دوام عطا کیا اور ان کو محبوبیت کے خاص الفاظ سے نوازا۔ وہ توحید و اخلاص کی وہ خاص کیفیت اور ذوق ہے جس میں محبت و عرفناہی کے سوا کوئی چیز مطلوب و مقصود نہیں رہتی۔ محبت و لیقین کے شعلے نے ہر طرح کے خس و خاشک کو جلا کر رکھ دیا تھا۔ حتیٰ دنیا، حتیٰ جاہ اور اس طبع کی تمام محنتوں اور طلبوں کا استیصال کلی ہو چکا تھا۔

شادیش اے عشقِ خوش سو دلتے ا  
الطبیبِ جلد حلقت دلتے ا  
اس دلتے نجوتِ دنیوس ما  
اس توانِ لامون و جالینوس ا  
عشقِ آنِ شد است کو چوں بر فخت  
ہر چند جزِ عمشوق باقی جلد نجوت  
ما نہ الا اللہ باقی جلد رفت  
شادیش اے عشقِ شرکت سو دلت  
(مولانا روم)

امیر حسن علاس بخاری راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مجلس میں یہ ذکر ہوا تھا کہ کچھ لوگ مسجد میں قیام کرتے ہیں۔ اور وہاں قرآن مجید کی تلاوت اور نوافل پڑھتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ اگر اپنے گھر ہی رات کو قیام کریں تو کیسا ہے؟ فرمایا کہ آدمی اپنے گھر میں ایک پارہ پڑھے وہ مسجد میں ایک قرآن ختم کرنے سے سہرت ہے۔ اس پر یہ ذکر آگیا کہ گذشتہ زاد میں ایک صاحب جامع مسجد دمشق میں رات بھر عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ اس لارج میں کہ اس کی عام شہرت ہوگی۔ اور شیخ الاسلامی کے عہد سے پر (جو اس زمانہ میں خالی تھا) ان کا تقدیر ہو جائے گا۔ یہ سنکری حضرت خواجہ کی آنکھوں میں آنسو بھرا کئے اور اپنے فرمایا۔

بیوز اول شیخ الاسلامی را د آگ لگاؤ ایسی شیخ الاسلامی  
پس خانقاہ را ولد ازاں کو پھر خانقاہ کو پھر اپنے کو خود را

حضرت خواجہ کی صاری زندگی اسی "دل خونگی" اور "خود باختگی" کا نمونہ ہے۔ اور اسی چیز نے ان کی صحبت میں کمیا اور اکسیر کی خاصیت پیدا کر دی تھی۔ انھیں کے مسلم کے ایک سوختہ دل شیخ تھے (جنوں یہ حدی میں نظامی مسلم کے مقصد می تھے) یہ دل شعر منقول ہیں۔ جو اس صورت حال

لے فوائد الفواد (ص ۲۷)

لے حضرت شاہ محمد مینا (محمد بن تطہب) کھنواری (م ۱۷۰۰ھ)

اور جذبہ کی صحیح ترجیحانی کرتے ہیں۔ مارانہ مرید و رددخواں می باید نے زاہر نے حافظ قرآن مجید  
صاحب درود سے سوچتے جاں می باید آتش زدہ بخانماں می باید  
لپٹے ہی بارے میں نہیں، اپنے خلفاء اور جانشیوں کے بارے میں  
بھی وجوں سے تہذیب، اخلاقی اور تربیتی نفس کا کام لینا تھا، اس کا  
لحاظ فراتے تھے کہ وہ اخلاص کے اس مقام پر بیرونی گئے ہیں کہ حتیٰ  
جہاں کا ان کے دل سے خاتمہ ہو چکا ہے۔ مولانا فیصل الدین نے سوال کیا  
کہ مشارعؐ کی خلافت کا اہل کون ہوتا ہے؟ فرمایا۔

کسے را کہ در خاطر اور موقع خلاف وہ شخص جو خلافت کا متوقع  
بناست۔ اور منتظر بھی نہ ہو۔

صاحب سیرالاولیا کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آپ کو اپنے ایک  
متاز خادم کے متعلق جن کو اجازت دی جا چکی تھی معلوم ہوا کہ وہ  
محنتی کیلی شہر کر کے بچھا کر کے اس پر مشارعؐ کی طرح بیٹھتے ہیں اور امرا،  
و عوام و خواص ان کی خدمت میں مستعدانہ حاضر ہوتے ہیں۔ آپ  
اس سے اتنے از رده ہوئے کہ جب وہ آئے تو آپ نے ان سے منہ  
پھیر لیا اور ان کو اجازت سے محروم کر دیا۔ عرصہ تک ان سے الیسی ہی  
بیس دھی رہی۔ جب تک کہ ان کا عندر نظائر نہیں ہوا اور انکوں نے

محافی نہیں ہانگی، ان پر لنظر عنایت مبنی دل نہیں ہوتی۔  
**دشمن نواز کی** اخلاص و فنا تیت اور بے نفسی کے اس مقام پر  
 انتقام کا ہذبہ اور اینا کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ وہ نہ  
 صرف آشنا پر در دوست نواز ہوتا ہے بلکہ دشمن کا احسان مند اور  
 دشمن کے حق میں دعا گوں جاتا ہے۔ گویا دشمنی کوئی احسان ہے کوئی  
 نادر تھفا اور زخم دل کا مرہم ہے جس پر بے اختیار دل سے دعا ملکتی  
 ہے اور منھ سے پھول جھپڑتے ہیں۔ امیر علاء سنجی راوی ہی کہ حضرت  
 نے ایک مرتبہ یہ مصروع پڑھا۔  
 ہر کو ما رائخ دادہ راحتش بسیدار باد  
 جو ہم کو رنج دے خدا اس کو بہت راحت پہونچتا۔

اس کے بعد یہ شعر ارشاد ہوا ——————  
 ہر کو اونا سے نہ بدر راہ ما از دشمنی  
 ہر گلے کر باع عرش بٹکنڈ بے خار باد  
 سیر العارضن میں ہے کنوا جل نصیر الدین چراغ عربی فراتے تھے کو

لے سیر الاولیاء میں اس داقعہ کی تفصیل ہے۔ ۱۲

لے فوائد الفواد ملا (وجہہ) جو بارے راستہ میں کانتے بچھاتے اللہ  
 کرے اس کے لکھن جیات میں جو پھول کھلے بے خار رہے۔ ۱۳

حدار اندر پتے میں (نہ موضع غیاث پوکے قریب ہے) جیجنوناہی اکیر  
شمنص تھا جس کو بے وجہ حضرت سے دشمنی تھی۔ بُرا بھلا بھی کہتا رہتا  
تھا۔ اور آپ کو تکلیف و ایذا پہنچانے کی فکر میں رہتا تھا۔ اس کے  
انتقام ہو گیا۔ حضرت شیخ نے اس کے جنازے میں شرکت کی، دفن کے  
بعد اس کے بالیں پر دُو رکعت نماز بڑھی اور دعا فرماتی کہ خدا یا! اس  
شخص نے جو کچھ کہا ہو یا بُرا سوچا ہو میں نے اس کو بخش دیا۔ تو یہی  
وجہ سے اس کو سزا نہ دیتا۔

ایک مرتبہ حاضرین میں سے ایک صاحب نے ذکر کیا کہ بعض آدمی  
جانب والا کو منزہ نہ کر اور دوسرے موقعوں پر بُرا بھلا کہتے ہیں ہم سے  
شناسنیں جاتا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ میں نے سب کو معاف کیا  
تم بھی معاف کرو۔ اور ایسے آدمی سے جھکنے انہ کر دو۔ اس کے بعد  
آپ نے فرمایا کہ اگر دو آدمیوں کے درمیان رنجش ہو تو اس رنجش کو  
دد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے باطن کو عدالت سے خالی کر  
لے۔ دوسرے کی طرف سے بھی آزار کم ہو جاتے گا۔ فرمایا کہ آخر  
لوگ بُرا بھلا کہتے ہے رنجیدہ کیوں ہوتے ہیں مشہور یہ ہے کہ ماں  
صوفی سبیل است و خلن اومبارح ”صوفی کامال وقت ہے اور اس  
کا خون روا، جب معاملہ ہے تو کسی بُرا بھلا کہنے والے سے کیوں

چھکڑا کیا جائے؟

ایک دن فرمایا کہ دنیا کا عام اصول تو یہ ہے کہ بیکوں کے ساتھ نیکی کا  
بدول کے ساتھ بد کی کی جاتے۔ لیکن مردان خدا کا اصول یہ ہے کہ بد کی کا  
بدر و بھی نیکی سے دیا جاتے۔ فرمایا۔

اگر کوئی کاشتار کھے اور بھی کھانہ	لیے خار نہ رہ و تو ہم خار نہیں
نکھد و تو کاشتہ ہی کاشتے جمع	ایں خار خار باشد .....
ہو جاتیں گے۔ لوگوں کے درمیان	میان مردانہم چنیں است
عام اصول یہی ہے کہ سیدھوں	بالغزاد نفرزی دبا کوزان
کے ساتھ سیدھا اور شریطھوں کے	کوزی، اما میان در ولیان
ساتھ تیڑھا۔ لیکن در و شوں کا	اپنین است کہ بالغزاد
اصول یہ ہے کہ سیدھوں کے	نفرزی بکوزان ہم نفرزی ہے۔
ساتھ سیدھا اور شریطھوں کے ساتھ	بھی سیدھا۔

حضرت خواجہ کا اس بارے میں میعاد آنا بلند تھا کہ بُرا کہنا تو بُری چیز ہے  
وہ بُرا چاہئے کو بھی روشن رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا۔  
پوچھتے انہک است اما بخواستہ بُرا کہنا بھی بُرا ہے۔ لیکن بُرا  
از ان بدتر است۔ چاہنا اس سے کہیں بُرلے ہے۔

جب یہ معاشر آپ کا سب کے ساتھ رہتا۔ تو اپنے شیخ اور ورنی نعمت کے عزیزوں اور تعلق والوں کے ساتھ کیوں نہ ہوتا جن کے احسان سے آپ کارروائی رواں تر تھا۔

سیر العارفین میں ہے کہ حضرت شیخ نجیب الدین متولی کے نواسے خواجہ عطا اللہ ایک لا بالی دیباک آدمی تھے۔ ایک دن قلم مذاقات اور کاغذ لیکر آتے اور کہا کہ میرے لئے فلاں سردار کو ایک خدا شی خطل لکھ دیجئے۔ تاکہ وہ مجھے کوئی اچھی رقم دیے۔ شیخ نے فرمایا کہ نہ میری اس سردار سے کبھی ملاقات ہوتی ہے زور کبھی بیجاں آیا ہے جس شخص سے بالکل جان بیچاں نہ ہواں کو رقد کس طرح لکھا جائے؟ صاحزادے کو غصہ آگیا اور انھوں نے محنت سست کہنا شروع کیا کہ ہمارے ہی نانا کے مرید ہو اور ہمارے ہی خاندان کا صدقہ پایا ہے۔ اب ایسے احسان فراموش ہو گئے ہو کہ میرے لئے ایک رقد بھی تم سے نہیں لکھا جاتا۔ یہ تم نے کیا پیری مرید کا جال بچایا ہے اور خلق خدا کو دھوکہ دے رہے ہو؟ یہ کہہ کر دواتر میں پریک دی اور انٹھ کر چلے۔ حضرت نے دامن پکڑ لیا اور فرمایا کہ ناراضی ہو کر کیوں جا رہے ہو۔ خوش ہو کر جاؤ۔ اس کے بعد ایک رقم سامنے رکھی اور رضامند کر کے رخصت کیا۔

سلہ سیر العارفین (تمہی)

**پندرہ بیویں ذکر نوانہ** سیر الاولیاء میں ہے کہ اکثر مولوی سیریز میں تھا کہ جو لوگ باہر سے آتے وہ کوئی شیئر سنن یا تحفہ خرید کر اپنے ساتھ لاتے اور پیش کرتے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ اسی ارادہ سے آ رہے تھے۔ ایک مولوی صاحب بھی ساتھ تھے۔ انہوں نے سوچا کہ لوگ مختلف مخالف پیش کریں گے اور وہ اکٹھا حضرت کے سامنے رکھیں گے۔ خادم سب کو اکٹھا کر لے جائے گا۔ یکipaستہ چلے گا کہ کون کیا الایا؟ انہوں نے تھوڑی سی سیٹی راستے اٹھا کر کافی میں باندھ لی۔ جب سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ ہر ایک نے اپنی چیز سامنے رکھی۔ مولوی صاحب نے بھی اپنی پریسا سمنے رکھ دی۔ خادم وہ سب چیزوں اٹھا کر لے جائے لگا، پڑیا کو بھی اٹھانا پا چاہا۔ حضرت نے فرمایا: اس کو بھیں چھوڑ دو، یہ میری آنکھ کا سرہ ہے۔ یہ اخلاقی و عالی طرفی دیکھ کر ان عالم صاحب نے توہین کی اور مرید ہوتے لے

**شفقت و تعلق** اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ کو عام انسانوں اور خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں اور اپنے اہل تعلق کے ساتھ ایسی شفقت و محبت عطا فرمائی تھی جس کو اگر ماں کی شفقت سے تشبیہ یا اس پر بھی تجزیع دی جائے تو واقعاً

کے لحاظ سے اس میں کوئی مبالغہ اور شاعری نہ ہوگی۔ شیوخ کا بیان کی  
یہ شفقت دراصل نبی کی اُس شفقت کی دراثت اور نیابت ہے جس  
کی حقیقت اس آیت میں بیان کی گئی ہے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ مَنْ يَوْمَ سُوَّىٰ<sup>۱</sup> اے لوگو! تمہارے پاس ایسا پیغمبر  
قِنْ أَنْفُسِكُمْ هُمْ زَانِيٌّ<sup>۲</sup> آیا جو تمہاری جنس سے چیزیں کو تمہاری  
عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ هُمْ حَرَامٌ<sup>۳</sup> بخیف و مضرت کی بات گمراہ  
عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ<sup>۴</sup> گندمی ہے جو تمہاری منضرت  
رَوْفٌ رَحِيمٌ۔<sup>۵</sup>

ایمانداروں کے ساتھ بڑا ہی  
شیق و مهران ہے۔

(التوبہ ۱۶۸) اور اس حکم کی تتمیل ہے جس کا خطاب "رسول" سے ہے۔

وَأَنْفُضْ جَنَاحَكُلْمَتِي<sup>۶</sup> ان لوگوں کے ساتھ فرقہ نی کے  
أَشْعَكْ مِنَ الْمُؤْمِنِيَّةِ۔ ساتھ پیش آؤ جو مسلمانوں میں میں  
شرار (۱۱) داخل ہو کر تمہاری راہ پر چلیں۔

اس شفقت اور تعلق نے وہ "اتحاد" پیدا کر دیا تھا کہ دوسروں کی  
جمانی اذیت سے اپنے کو جسمانی طور پر بے اذیت اور دوسروں کی  
قلبی راحت سے اپنے کو قلبی راحت ملتی تھی۔ امیر حسن علاء سنگری  
مادی ہیں کہ ایک مرتبہ مجلس ہو رہی تھی سایہ میں جگہ نہ ہونے کی وجہ  
سے بعض لوگ دھوپ میں بیٹھے تھے۔ آپ نے سایہ میں بیٹھنے والوں

سے فرمایا۔ ”بھائی ذرا مل کر سٹھوتا کہ ان بھائیوں کیلئے بھی جگہ  
ہو جاتے۔ دھوپ میں یہ بیٹھے ہیں اور میں جلا جارہا ہوں۔“  
ایک مرتبہ آپ نے کسی بزرگ کا مقولہ نقل کیا جو درحقیقت  
اپنے ہی حال کی ترجیحی تھی کہ ”خدا کی خلائق میرے سامنے کھانا کھاتی  
ہے اور میں اس کھانے کو اپنے حلق میں پاتا ہوں۔ جیسے وہ کھانا  
میں ہی کھاند رہوں۔“

امیر حسن علاء نجمری فرماتے ہیں کہیں ایک مرتبہ ہے وقت  
حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ میں اس طرف عزیزتوں سے ملنے آیا ہوا  
تھا۔ حاضری کو جی چاہا۔ بعض دوستوں نے کہا کہ اگر کوئی شخص کسی  
اور کام سے آیا ہو اور شروع سے حاضری کی نیت نہ کی ہو تو شیش  
کی خدمت میں نہیں حاضر ہونا چاہیے۔ میں نے دل میں کہا کہ  
اگرچہ قاعدہ نہیں ہے لیکن دل نہیں مانتا کہ یہاں آ کر حضرت کی  
زیارت کتے بعiro والپس چلا جاؤں۔ میں آج قاعدہ کے خلاف  
ہی کروں گا۔ حضرت نے فرمایا۔ ”اچھا کیا پھر یہ شعر پڑھا سے  
دکوئے خرابات و سراءً او باش  
منع نبود بیاد پڑھیں وہ باش

لہ فوائد الغواد ۶۱  
تہ سیر الاولیاء ۴۲

پھر فرمایا کہ مشائخ کا معمول یہ ہے کہ کوئی ان کے پاس استراق سے پہلے اور عصر کی نماز کے بعد نہیں جاتا۔ لیکن میرے یہاں یہ قاعدہ نہیں جس وقت جس کا جو چاہے آئے ہے۔

**عَنْخُواصَ عَامِهِ** یہ اہل قلوبِ عِنْمَ دنیا سے فارغ البال تکن دنیا والوں کی علم اور خلقِ خدا کی فکروں سے نہ چال اور خستہ حال رہتے ہیں۔ وہ اپنا عِنْمَ بھلا دیتے ہیں اور ساری دنیا کا عِنْمَ اپنا عِنْمَ بنایتے ہیں یہ کہنے کا حق درحقیقت انجین کو ہے کہ سارے جہاں کا درود ہمارے جگہ میں ہے۔

خواجہ نصیر الدین چراغِ ذہبیؒ کے نواسے خواجہ شرف الدین سے کسی مجلس میں کسی ہوئی نے کہا کہ خواجہ نظام الدینؒ عجب فارغ البال بزرگ ہیں۔ مجرد ہیں۔ اہل وحیاں و اطفال کا کوئی تردداں کو نہیں ہے۔ ان کو ایسا فرازِ خاطر حاصل ہے کہ ایک ذرہ عِنْمَ بھی ان کو چھوٹ نہیں گیا ہے۔ وہ عزیزِ اُس مجلس سے اکھٹے تھے تو حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے چاہتے تھے کہ خود اس کا ذکر کریں حضرت خواجہؒ نے خود ہی ارشاد فرمایا۔

میاں شرف الدین وہ رُنگِ عِنْمَ جو میرے دل کو وقتاً فوتتا  
ہوتا رہتا ہے شاید ہی کسی دوسرے شخص کو اس سے زیادہ ہوتا

ہو۔ جو شخص میرے پاس آتا ہے اپنا حال مجھ سے بیان کرتا  
ہے اس سے دوچینگکرو تردد اور غم والم مجھے ہوتا ہے  
بڑا سنگمل ہے وہ جس پر اپنے دینی بھائی کا غم اشہر کے  
اس کے علاوہ یہ جو کہا گیا ہے۔ المُحَكَّمُونَ عَلَىٰ غَطْرٍ  
عَظِيمٍ۔ مخلصین کو بڑا خطرہ درپیش رہتا ہے۔ اس  
سے بھی بچ سکتے ہو کہ۔ ۶۴

نزدیکاں را بیش بود حیرانی  
حضرت خواجہ کے نزدیک مسلمان کامل خوش کرنا اور اس کی بُجُونی  
دراحت رسانی افضل ترین عمل اور تقرب الی اللہ کا بہترین ذریعہ  
تھا۔ سیر الادیا۔ میں ہے کفر لایا۔

”مجھے خواب میں ایک کتاب دی گئی اس میں لکھا تھا کہ  
جهال تک ہو کے دلوں کو راحت پہنچاؤ کہ مومن کا  
دل اسرارِ بوبیت کام قام ہے۔“ کسی بزرگ نے  
خوب کہا ہے۔ ۷

می کوش کر راحت بجا نہ برسد یادست شکستہ بنانے پر رسد  
دکوش کرو کسی انسانی جان کو تم سے آنام پہنچے یا جو دست  
شکستہ ہے اس کو تمہارے ذریعے سے روشنی لے

لہ سیر العارفین (تلہی)

ایک مرتبہ فرمایا کہ۔

”قیامت کے بازار میں کسی سودے کی اتنی قیمت اور چلن  
نہ ہو گا جتنا دل کا خیال رکھنے اور دل خوش کرنے کا۔“

**بچپن وال ببر شفقت** حضرت خواجہ اپنے قیمتی مشاغل  
اور اعلیٰ کیفیات باطنی کے ساتھ

بچپن اور بچپن وال پر بڑے شفقت تھے۔ اور وہ اپنی شدید محرفیت  
کے باوجود ان کی ذہنی و لاطفت کیلئے وقت نکال لیتے تھے۔ ان  
عظمیم ذمہ داریوں اور باطنی مشغولیت کے باوجود ان بچپن کی پوری  
رعایت فرماتے اور بچپنی بچپنی بالتوں کا دھیان رکھتے۔

خواجہ رفیع الدین ہارون آپ کے حقیقی بھائیجے کے صاحبزادے  
تھے۔ اگر کبھی کھانے کے وقت وہ موجود نہ ہوتے تو اگرچہ بڑے  
بڑے بزرگ دستخوان پر بیٹھے ہوتے۔ لیکن آپ ان صاحبزادے  
کا انتظار کرتے۔ آپ اپنے بچے کی طرح خلوت و جلوت میں ان کی  
ترہیت و دلداری فرماتے تھے۔

خواجہ رفیع الدین کو تیر و کمان اور پیرا کی دشمنی کا بڑا شوق تھا۔  
حضرت سلطان المذاخن بڑی شفقت کے ساتھ ان سے انھیں فنون  
کی باتیں کرتے تھے۔ ان کی بہت افزائی اور تشویق فرماتے۔ ان

فتوں کی باریکیوں اور نمکتوں کی قیام دیتے تاکہ یہ خوش ہو۔  
 جو شریعت النسب اور ذکی استعداد نوجوان اپنے زمانہ کے شوقین  
 لوگوں کے جیسا بابس سنتے لاد ان میں نوجوانی کے تقاضے سے لباس  
 میں تحمل پیدا ہوتا۔ جس کو بعض سخت گیر ثقاہت و متانت کے  
 خلاف سمجھ کر اعراض کرتے ہیں، حضرت خواجہ ان کی بھی دلبوقی فراتے  
 اور اس کو جوانی اور زمانہ کا لئا تھا۔ سمجھ کر نظر انداز فراتے۔ اور اپنے اخلاق  
 و محبت سے ان کی اصلاح اور تربیت کی کوشش فراتے۔

سیر الادلیاء کے مصنفوں امیر خور دلکھنے میں کہ میرے چھپائید جسیں  
 کرانی کی نوجوانی کا زمانہ تھا۔ وہ اس زمانہ کے شوقین نوجوانوں کے  
 لباس اور وضع میں ایک روز تشریف لاتے جو حضرت خواجہ نے  
 ان کو دیکھ کر فرمایا۔

سید بیا و بہ نشیں و سعادت بہر سینا و بیٹھوا و رساعدت میں حصلو  
 اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس شفت و ملاطفت اور اس دلبوقی و دلخوازی  
 سے کتنے نوجوانوں کی اصلاح و تربیت ہوتی ہوگی اور کتنے "آہوتے  
 وحشی" اسی دارِ محبت ہوتے ہوں گے۔ اور ان کا شمار خدا کے  
 مقبول بندوں اور شیوخ کاملین میں ہوا ہوگا۔

لہ سیر الادلیاء ص ۲۵۷

تہ سیر الادلیاء ص ۲۵۸

حضرت خواجہؒ کے ان اخلاق و صفات اور صوفیہ صافیہ کی سیرت کو دیکھ کر امام غزالیؒ کی اس راستے اور شہادت مکن تقدیمیں ہوتی ہے جس کا انہوں نے "تلش حق" کے طویل سفر اور مختلف گروہوں اور انسانی طبقات کے عین مطالعہ کے بعد اظہار کیا ہے۔

"تجھے لقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ صوفیہ ہی اللہ کے راستے کے مالک ہیں۔ ان کی سیرت بہترین سیرت، ان کا طریق سب سے زیادہ ترقیت یافتہ اور صحیح ہیں۔ اگر عقلاء کی عقل، حکماء کی حکمت اور شریعت کے مزدھانوں کا علم مل کر بھی ان کی سیرت و اخلاق سے بہتر لا چاہے تو مکن نہیں، ان کے تامن طاہری و باطنی حرکات و سکنات مخلوقۃ بیوت سے ماخوذ ہیں۔ اور فور بیوت سے بڑھ کر روتے زمین پر کوئی نظر نہیں، جس سے روشن حامل میجھا تے ٹیں"

لِهِ الْمُنْقَدِّسِ مِنَ الظَّلَالِ

مکاتب العلیٰ احمد بن علیٰ الحنفی  
دانشگاہ مفتاح الدین بیانیہ

۱۰۳۲  
۱۲۳۲  
گوشنہ باب سوم

## اذواق و کیفیات

**محبت و ذوق** حضرت خواجہ کی سیرت اور زندگی کا لکھنے  
نقطہ جو ان کے تمام اخلاق و احوال و  
اعمال کا محور ہے وہ عشقِ الہی کی نعمت خدا واد ہے۔ جو ان میں ابتدائے  
حال سے شکیاں تھیں، محبت کی یہ پہنچ کاری جوازی سے ان کی فطرت میں  
و دلیعت تھی۔ شیخ بکیر کی صحبت اور طریقہ چشتیہ کی نسبت سے شعلہ  
جان سوز بن گئی اور اس نے مد المتراء کو، اور رفعت صدی سے  
زاندہ بھی اور اس کے ماحول کو گرم اور منور رکھا اور اس کی وجہ  
سے صد یوں تنک ہندوستان کی فضائی عشقِ الہی کی حرارت سے گرم  
اور گلدار ہی۔ ان کے تمام حالات و اشغال گفتگو اور مجالس اشعار  
اور ان کے انتخاب، واقعات اور ان کی تمثیل، عرض ہر چیز سے  
اسی سوزِ باطن اور اسی حرارتِ عشق کا اظہار ہوتا ہے۔

شعلہا آخر زہر موسیم دمید ازگ انلیشہ ام آتش چکید

فوات الفواد میں ہے کہ ایک روز اولیاء اللہ کے دم والپسیں کے واقعات بیان ہو رہے تھے۔ حاضرین میں سے ایک نے ایک بنگ کی خکایت بیان کی کہ ان کا انتقال ہو رہا تھا اور آہستہ اللہ کا ہم ان کی زبان پر جاری تھا جو حضرت خواجہ آبیدہ ہو گئے اور یہ باعث پڑھی۔ ۔

آیم بسر کوئے تو ہو یاں پویاں | خسارہ آب دیدہ شویاں شویاں  
بیچارہ زوں تو ہو یاں جویاں | جاں جی دکھ وناں لوگویاں گویاں  
(ترجمہ) آپ کی گلی میں چلا آرہوں خراں خراں، آنسوؤں  
سے اپنے خسار کو ڈھونڈا ہوں، آپ کے صل کا جو یا اور طالب  
بن کر، جان بھی دے رہا ہوں، آپ کا نام بھی لئے  
چارہ ہوں )

اس محبت کا نتیجہ یہ تھا کہ دل میں جبوب کے سوا کسی کے خیال کی گنجائیں رہی تھیں کسی دوسری طرف توجہ بھی دل پر برداشتی۔

ہر چہرہ مُشوق باقی جل سوخت

امیر حسن علاء بخاری راوی ہیں کہ ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر کچھی آتفاق سے میں ان کتابوں کا مطالعہ کرنے لگتا ہوں جو میں نے پڑھی ہیں تو طبیعت میں وحشت پیدا ہونے لگتی ہے اور اپنے دل میں کہتا

بھوں کے کہاں پڑی گیا؟ اس پر حضرت خواجہ ابوسعید ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کا دافتہ  
بیان کیا کہ وہ کمال حال پر ہنچ گئے تو وہ تباہیں جو وہ پڑھ کچکے تھے  
اور ان کو نہ میں رکھ دیا تھا ان کو سامنے رکھ کر ایک روز مطالعہ  
کرنے لگے۔ غیبی آواز آئی، اسے ابوسعید ہذا عہد نامہ والپس کروے  
کہ اب تو دوسری چیزیں مشغول ہو گیا۔ خواجہ جب اس مقام پر ہنچے  
تو روپڑے اور یہ شعر پڑھا۔

تو سایے دشمنے کجا در گنجی  
جائے کنجیاں دوستِ زلت باشد  
(ترجمہ) کسی دن کا سایہ بھی کہاں سما سکتا ہے جہاں دوست  
کا خیال بھی جواب بنے۔

اسی "سر و عشق" کا نتیجہ تھا کہ شب کی خلوت اور رات کے راز و  
نیاز کے بعد جب دن میں تشریف لاتے تو بقول امیر خود معلوم ہوتا  
کہ شراب چھلک دہی ہے۔ رات کی بیداری سے آنکھیں شرخ ہوتیں  
امیر خسرو نے سہی دیکھ کر کہا ہے۔ ۷

تو شباز می خاتمی بہ، بہ کے کبوڈی امشب  
کہ منوزِ چشم مستت اثرِ خمار دار شد  
اور اسی حمارتِ عشق اور سرو نکستی کا نتیجہ تھا کہ پیرانہ سالی میں برا بر

روزہ رکھتے تکلیلِ خدا، طویل شب بیداری اور سخت مجاہدات کے باوجود ضعف و ناٹالا قتنی ظاہرہ ہوتی تھی مگر سال سے عمر مبارک مبتلا و ہوشیکے باوجود جہر سے پرور ہی تحریکی اور نشاط و انبساط کی وجہ کیفیت پائی جاتی تھی جو جہان میں رہی ہو گئی بلکہ اس میں روز افزول امداد تھا۔ (سیر الادیبا)

**ساعہ** [ محبت کی کیا حرارت اور تیش تھی جس کی تکین کا ایک ذریعہ ساعہ تھا۔ یعنی عشق الہی کے اشعار اور حوار فانہ

لے سلا ساعع (بزم امیر) کی خلافت مخالفت میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اس میں نقطہ اعتدال پر حکومت کردہ طلاق حرام ہے ذکری عبادت و طاعت و امر مقصود، اعتدال اور خاص شرائط کیا تھا ایک تبدیل و علاج ہے اور اصحاب مذورت والہیت کیلئے یقین مذورت مباح اور بعض اوقات مفید اس سلسلہ میں مشہور شیخ شیخ قاضی حمید الدین ناگوری کا قول پڑا جاسح و معتدل معلوم ہوتا ہے۔ ایک مجلس میں ساعہ کی حلت و حرمت پر بحث تھی۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ میں ہوں حمید الدین کہ ساعہ سنما ہوں اور بیاج کہتا ہوں علم اسکی بواستہ کی بناء پر اس لئے کو دیوبند کامیون ہوں اور ساعہ اس کی دو ایسے امام ابو حنین نے شراب سے علاج کرنے کی ایسے وقت میں اجازت دے دی ہے جبکہ انہا مرض کیلئے اور کوئی دوا ہی نہ ہو۔ اور جنہوں کا بھی اس پر آتفاق ہو کہ محنت شراب کے بغیر نامکن ہے اس تقدیر پر میرے مرض کی دوا جو کہ لا علاج ہے سرفہ کا استثناء ہے اس کا سنتا ہمارے لئے بیاج اور تمپر ہرام ہے۔ (سیر الاظباب قلمی)

ابیات کا سنتا جس سے قلب کو اپنی آپنیں بکالئے اور آنسوؤں کے  
چھینٹوں سے اس کی گرمی کو کم کرنے کا موقع ملے اور اسی کے ساتھ  
بجا ہدایت سے تھکا ہوا جسم اور طبیعت، اور نفی کی چورٹ کھایا ہوا دلاغ  
غذا اور تازگی حاصل کر سکے۔ مولانا روم جو ایک بڑے ماحص سامع  
تھے اسی لئے فرماتے ہیں۔ ۷

<p>پس غذائے عاشقان آمد ساعع کہ ازو باشد خیالی اجتماع قوتے گیر دخیالاتِ ضمیر بلکہ صورت گرد دا زبانگی صمیر آتش عشق از نواہا گرد تیز خود حضرت خواجہ<sup>ؒ</sup> نے اپنی زبان سے ساعع کی بیہی حکمت بیان کی ہے۔</p>	<p>ساعع حق مریدان و معتقدان ساعع مریدین صادقین اور داصحاب بریامت است اہلی عقیدت اور اصحاب بریامت کا کام ہے۔ جب طبیعت اور چوں نفس و تن بلاک شود اور راحتی ایست ----- جسم پور کیا جوٹ کھا جاتے تو ان کا حق ہے دک سامع سے لئے لئنْفُسِكَ عَلَيْكَ حَتَّا قوت و تازگی حاصل کریں ہمیشہ میں آتا ہے کہ ایک لئنْفُسِكَ</p>
--	--

بدرستی کر براتے نفس بیار علیئے حصہ۔ تمہارے کافپر  
تو حق است چوں زبانے تمہارے جسم کا حق ہے جب  
از ساعع بیاسا ہے باز اور ایک قلت ہمک نفس ساعع کے

بکارے پہ بند۔

ذریعہ آمام حاصل کر لیتا ہے  
تو پھر اس کو کام میں لگاتے

ہیں۔

ایک بزرگ مولانا کاشانی فرماتے ہیں۔

اصحابِ ریامت و اربابِ مجاہد	کے قلوب و نفوس احوالِ کھنڈیا	گاہِ گاہِ اتفاقِ افتادہ کھلائے	وجہ سے کچھی کبھی اکتا جاتے
مادرش شود و قبض و بسط	محسوس ہونے لگتا ہے اعدان	احوال بودھا کی گرد پس	مشانِ تاخراز برائے نہایں
کو موجب فتویٰ عمال و قصور	پروہ قبض و بسطِ جمال و	با عہد و دفع لیں حادث ترکیبے	عادر ہوتا ہے طاری ہو جاتے
احوال بین سستی اور کوتا ہی کا	احوال میں سستی اور کوتا ہی کا	روحانی از ساع اصلاح طیبہ	روحانی از ساع اصلاح طیبہ
مشانِ تاخراز برائے نہایں	با عہد ہوتا ہے طاری ہو جاتے	و امیانِ تناسب و اشتعار	نے اچھی آفازوں متناسب نہیں
شارع و مشوقہ بروجھے کہ	کو اس طرح ہے کہ حد و شروع	و سیخ و مشوقہ بروجھے کہ	او شوق ایکجا و اشعار کے سننے
مشروع نہ			

نمودہ اندھے

سے باہر نہ چوں ایک علاجی رہائی  
کے طور پر تجویز کیا ہے۔

سماں کی اس حکمت کے علاوہ اس کی ایک دوسری حکمت ان  
حضرات کے نزدیک بیکھنی کی اس سے حضور مسیح کی ایک کیفیت درد کی  
لذت اور ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ لمحات بقیاء اوقات  
کو بھی اپنے دامن میں لیکر پاک اور فرمائی ہنا دیتے ہیں سارشاد ہوا کر

مردم را ہم روز حضور کجا میسر شود اگر در روزے کہاں میسر آئی ہے اگر کسی دن کافی وقت اچھا انتہا جاتے تو اس دن کے تمام متفرقہ آں روز در پناہ آں وقت باشد کی پناہ میں ہوتے ہیں۔ دیکھو اگر کسی مجع میں ایک صاحب ذوق اور صاحبِ ثقہ ہو تو اچھا تمام حاضرین اس کی پناہ میں ہوتے ہیں۔	فرایا آدمی کو ہر روز حضور کجا میسر شود اگر در روزے وقت خوش دریافت ہے وقت اچھا انتہا جاتے تو اس دن کے تمام متفرقہ آں روز در پناہ آں وقت باشد و اگر در جمعے صاحب ذوقے و صاحبِ ثقہ باشد، جملہ اشخاص در پناہ آں شخص باشد تو
---	--

پہلیہ سماں، حضرت خواجہ<sup>ؒ</sup> اور ان مشائخ کی (جماعتی) کیفیت کے حوال

اور آتشی محبت سے جل رہے ہوں (طبعی کیفیت کا نتیجہ بستکیں کا سامان قوت و عناد اور رقت و حضور سی کا ذریعہ تھا۔ جس کو وہ حضرات علاجًا اور مژوڑتا اختیار کرتے تھے اور علاج و مژوڑت کے بعد رہی اس سے کام لیتے تھے نہ وہ کوئی عبادت، تقربہ الی اللہ کا ذریعہ تھا، نہ مستقل سلوک اور شب و روز کا مشغله تھا۔

اسی کے ساتھ حضرت خواجہ نے سماع کو ان تمام خلاف شرع منکرات و بد عادات اور اسبابِ لہو و لعب سے جو عین مسلموں کے اثر سے خاص طور پر ہندوستان میں اہل ہرہوا نے خام کا صوفیوں نے سماع میں شامل کرنے تھے خود بھی دور رکھا اور اپنے مقیمین کو ان سے احتساب کی انتہائی تاکید فرمائی ہے۔ آپ نے سماع کے آداب اس طرح بیان فرمائے۔

آپ نے فرمایا۔

”سماع کی چار قسمیں ہیں۔ حلال، حرام، مکروہ، مباح۔ اگر حب و جد کا میلان محبوبِ حقیقی کی طرف زیادہ ہے تو سماع مباح ہے۔ اور اگر محبوبِ مجاز کی طرف زیادہ ہے تو مکروہ ہے۔ اگر محبوبِ مجاز کی طرف میلان کلتی ہے تو حرام ہے۔ اگر محبوبِ حقیقی کی طرف میلان کلتی ہے تو حلال ہے۔ لیں جس کو سماع کا ذوق ہے اس کو چاہئے کہ وہ ان چاروں درجہوں کو جانتا ہو۔“

نیز ارشاد فرمایا کہ۔

سماع مباح کیلئے چند چیزوں چاہیں۔ مسمع (سنایتوالا) مستحب ہے  
والا، مسموع جو کچھ ہو (مهاجر نہ ہو)، آلة سماع (ذریعہ) مسمع کیلئے شرطیہ  
ہے کہ وہ پوری عمر کا ادمی ہو، کم سن نہ ہو، عورت نہ ہو، مسموع کیلئے قزوں کی  
ہے کہ جو کچھ وہ سن رہا ہے وہ بادھنی سے خالی نہ ہو، مسموع کیلئے شرط ہے  
کہ وہ بے چیانی اور ہنسی مذاق کا کلام نہ ہو، آلة سماع سے مراد مزامیر  
ہے۔ جیسے چنگ دریاب کہ یہ دریان میں شامل نہ ہو۔

### مزاہیر سے نفرت و نمائعت حضرت حجاج مزامیر دلالات غنا اور رباب

(غیرہ) سے سختی سے منع فرماتے تھے اور جب کبھی اس بارے میں کسی  
بے احتیاطی کی اطلاع ملتی تو نہایت ناراضی ہوتے اور اس بارے میں  
کسی لفڑ کو قبول نہ فرماتے۔ سیر الادیبا مبتدا ہے۔

” مجلس میں ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت سلطان المثانی سے  
عرض کیا کہ ان دونوں بعثت حاضر باش درویشوں نے ایک  
ایسی مجلس میں جس میں چنگ دریاب اور مزاہیر تھے شرکت  
کی اور رقص کیا۔ فرمایا۔ اچھا نہیں کیا۔ جو خلافِ شرع ہے  
وہ ناپسندیدہ ہے۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ لوگ

جب باہر آتے اور لوگوں نے ان سے کہا کہ یہ آپ نے کیا  
کیا، اس مجلس میں مزامیر تھے۔ آپ نے ساعت کس طرح مناد  
رقص کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم ساعت میں ایسے متفرق  
تھے کہ ہمیں کچھ پتہ نہیں چلا کہ مزامیر ہیں یا نہیں۔ حضرت  
سلطان المشائخ نے سنکر فرایا کہ۔ یہ جواب بھی کچھ نہیں یہ  
بات تو ہر معصیت کے مقابل کہی جاسکتی ہے۔“

حضرت خواجہ مزامیر کی مانافت میں بڑی شدت اور مبالغہ فرماتے  
تھے۔ فرماتے تھے کہ۔

”جب عورت کو نمازیں امام کو غلطی پر منتبا کرنے کیلئے دستک  
دیتے وقت اس کی مانافت ہے کہ تھیلی پر تھیلی ماری جاتے  
کہ اس سے نالی کی آوانی پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ لہو ہے  
جب لہو ولعب سے اتنا پر ہیز آیا ہے تو ساعت میں بطریق  
اولیٰ مزامیر کی مانافت ہوتی چاہتی ہے۔“

**ساعت میں آپ کی نیفیت**

حضرت خواجہ فرماتے تھے کہ جس شخص کو اللہ  
نے درود و ذوق عطا فرمایا ہے اس کو بغیر مزامیر کے ایک ہی شعروں کر دلت  
پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن جسے عالم ذوق کی خبر نہیں اس کے سامنے پڑھنے

والے کہتے ہی بڑھیں اور کیسے ہی مزامیر بکھوں نہ ہوں اس پر کوئی اثر  
نہیں ہوتا۔ اس نے کہ دھاہل درد میں سے نہیں ہے۔ اس کام کا تعلق درد  
سے ہے نہ کہ مزامیر وغیرہ ہے۔

چنانچہ حضرت خواجہ کا حال یہ تھا کہ عاد فانہ اور عاشقاہ اشعار سنتے ہی آپ  
پر سخت رقت طاری ہوتی، لیکن اس طرح کہ لوگوں کو خبر نہ ہوتی، خدامِ رمال  
دیتے جاتے اور وہ آپ کے آنسوؤں سے تر ہوتے جاتے یہ دیکھ کر لوگ  
سمجھتے کہ آپ پر گری طاری ہے۔

امیر خود دھونو دھبھی اپنی کمسنی میں ان جماں میں سماع میں شرک ہوتے  
تھے اور زیادہ تر اپنے والد اور جماعت سے ان پر کیف مجلسوں اور ان وجدانگیز  
اشعار کا ذکر کرتے ہیں جو دہلی پر ٹھے گئے کہتے ہیں کہ بعض مرتبہ بہت  
سے شعر پڑھتے جاتے لیکن کیفیت نہ پیدا ہوتی ریکا یک کوئی ہندی کا دوہا  
یا فارسی کا کوئی عاشقاہ شعر پڑھ دیتا اور مجلس میکیف ہو جاتی۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شاہی امیر قیم بک نے ایک مجلس آوارستگی مخلص  
و صدور شہر کا اجتماع تھا۔ ساع شروع ہوا، کہتے والے بہت کچھ شہتے رہے  
کچھ اثر نہیں ہوا۔ آخر من بہدی تو الٹے شعر پڑھا۔

درکبنة در ولیشی در محنت بے خوبیشی

بگذار مرا جان ہرسوتے کمن افنا ن

اس شعر کا پڑھنا تھا کہ حضرت سلطان المنشی پر گردید اور ایک حالت طاری ہوئی  
اور اس کیفیت کا تمام حاضرین مجلس پر اثر ہوا اور سب مکتف ہوتے ہیے  
ایک دوسرا مجلس کا ذکر ہے۔ بالآخر پر مجلس ہو دی تھی، امیر خسرو کھنے  
تھے اور سلطان المنشی نا سازی طبع کی وجہ سے چار پانی پر قشیر بست رکھتے تھے  
حسن بہدی نے سعدی کا یہ شعر پڑھا۔ ۷

سعدی تو کیستی کہ در آئی دریں کمندہ

چندل فتادہ انک کے اصل لا غریم

حضرت خواجہ پر گردید طاری ہوا۔ اور اس میں ڈوب گئے۔ خواجه اقبال  
روہاں پر ٹھاتے جاتے تھے اور آپ آنسو پوچھ کر حسن بہدی کی طرف  
ان کو پر ٹھاتے تھے کچھ دیر کے بعد سلیع ختم ہوا۔ امیر خسرو فرنگی خود  
نے امیر خسرو ہی کی عزل پر صحنی شروع کی جس کا ایک شعر ہے تھا۔ ۷

خسرو تو کیستی کہ در آئی دریں شمار

کہیں عشق تیغ بر سر مردانہ دین زدہ است

حضرت خواجہ پر کھروہی کیفیت طاری ہوئی اور گردید کاغذ بہ رخا۔

ایک مرتبہ امیر خسرو نے عزل پیدھی جس کا مطلع تھا۔ ۷

رخ جلد رامنود مر گفت تو میں

زیں ذوقِ حست نہ بخرم کیں سخن چہ بود

اکپ نے گوشنہ حرم سے امیر خسرو کو دیکھا اور کیفیت طالبی ہوئی۔  
عام طور پر جس شعر پر حضرت خواجہ<sup>ر</sup> کو ذوق آتا تھا۔ دریں کی مجلسوں  
اور شہر کی ٹیکیوں میں عرصہ تک اس کا پچرہ چارہ تھا اور لوگ اُس سے لطف  
لیتے اور ذوق حاصل کرتے رہتے تھے۔ سلطان علاء الدین نے بھی اپنی دباد  
اور حضرت خواجہ<sup>ر</sup> کے بیہاں آئنے جانے والوں کو تائید کر رکھی تھی کہ جس  
شعر پر حضرت خواجہ<sup>ر</sup> کو ذوق آتے اس کو یاد رکھا جائے اور بادشاہ کو  
سنایا جاتے۔ اکثر جب بادشاہ نے وہ شعر سنایا جس پر حضرت خواجہ<sup>ر</sup> کو ذوق  
آیا تھا تو بڑی تعریف کی اور دیر تک ذوق لیتا رہا۔

### ذوق قرآن

قرآن مجید کا ذوق، اس کے حفظ کا اہتمام اور  
تلاوت کی کثرت مثاثع چشت کا خصوصی ذوق  
اور ان کی قدیم روایت ہے۔ خواجہ بزرگ میں الدین حاضری<sup>ر</sup> سے لے کر  
حضرت خواجہ نظام الدین<sup>ر</sup> تک سب کے بیہاں قرآن مجید کا خصوصی ذوق اور  
شفق تھا ہے۔ اور ہر ایک نے اپنے خلفاء، خاص اور مرین با اختلاف  
کو حفظ قرآن اور استعمال بالقرآن کی تائید کی تھی۔

خلافت دیتے وقت شیخ بکری<sup>ر</sup> نے حضرت خواجہ کو حفظ  
قرآن کی صیانت کی تھی۔ حضرت خواجہ نے یہ صیانت

لئے سیر الادلیا۔ س ۵۶ ۳۷۰ میں ایضاً مذکور

ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت «از نولا نا  
مناظر احسن گیلانی (جلد دوم)»

پیوری کی اولاد ہی پہنچتے ہی اس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ حضرت خواجہ<sup>ؒ</sup> اپنے مریدین اور اصحاب خاص کو بھی اس کی ترقیت دیتے رہتے تھے۔ اور تاکید فرماتے تھے۔ امیر حسن علام۔ بخوبی جب حضرت خواجہ سے متعلق ہوتے تو وہ بولتے ہی تھے۔ اور شعرو شاعری زندگی بھر کا مشغلا تھا۔ حضرت خواجہ نے ان کو ہدایت کی کہ قرآنی ذوق کو شعرو شاعری کے ذوق پر غالب کریں۔ امیر فوائد الفواد میں فرماتے ہیں۔

بار بار آن لفظ مبارک مخدوم شنبیدہ ام فی بید کو قرآن خواندن بر شعر گفتگو غالب شرکتے پر غالب آجاتے۔	بار بار آن لفظ مبارک مخدوم شنبیدہ ام فی بید کو قرآن خواندن بر شعر گفتگو غالب آیہ۔
--	--

بھر ان کو حفظ قرآن کی ہدایت ہوتی۔ انہوں نے ایک شلثت یاد کر لیا تو ارشاد ہوا۔

دیگر ما انڈک انک یاد گیرد خود اکھوڑا یاد کرو، ادا گھلیاد یاد گرفتہ بیشنہ کمری کن۔	کیا ہوا دھرم تر رہد۔
---	----------------------

مولانا ابدال الدین اسماعیلی کے حاجززادے خواجه محمد حضرت خواجہ کی کتابت پر پوئیں تھے ان کو بھی قرآن مجید یاد کرایا۔ خواجه محمد امام بڑے اچھے حافظ و خوش الحافی تھے۔ ان کو اپنے نماز کا امام بنایا تھا۔ ان کی فرمان

سے آپ بڑے محفوظ ہوتے اور آپ کو ان کی قرأت سن کر بڑی رفت اور ذوق آئا۔ ان کے دوسرا سے بھائی خواجہ موسیٰ بھی حافظ وقاری تھے معمول تھا کہ جب دسترخوان پر سچتے تو سہلے خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ کچھ قرآن شریف پڑھتے اس کو دعا امداد کہتے تھے۔ اس کے بعد کھانا شروع ہوتا اپنے نواسوں (خواجہ زادہ کے صاحبزادگان) خواجہ رفیع الدین وغیرہ کو بھی قرآن حفظ کرایا۔ خود بھی نوافل میں قرآن شریف پڑھتے اور خاص خدام سے دریافت فرماتے کہ ان کا کیا معمول ہے؟

### سبیخ سے تعلق

یوں توجہ شخص جس سے کوئی نعمت پاتا ہے۔

اگر اس کی طبیعت میں شرافت اور احترام کا جذبہ ہے، اس کا گرویدہ ہوتا ہے اور اس کو اپنا عین سمجھتا ہے لیکن حضرت خواجہ کو اپنے مرشد سے عاشقانہ اور والہا تعلق تھا۔ اور ان کے اختصاص و امتیاز اور روحانی ترقیات میں اس کو خاص دخل تھا۔ اس نے حضرت کاظمیہ ستحا کہ جب کسی محبوب کی تعریف ہوتی تو ان کو اپنے شیخ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی وہ اخپیں کو اس کا مصدقہ سمجھتے۔ فرماتے ہیں کہیک مرتبہ شیخ کی زندگی میں ایک مجلس میں قول نے یہ شعر پڑھا۔

محرام بدریں صفت میادا کن چشم بدرت رسگزندی

فراتے ہیں کہ مجھے شیخ کے اخلاق و اوصاف، ان کا فضل و کمال اور ان کی لطافت وزیبائی بیاد آگئی۔ ایسی کیفیت طاری ہوتی کہ بیان نہیں ہو سکتی، قول نے چاہا کہ آگے پڑھے، میں نے بار بار وہی شعر پڑھوا یا یہ ذکر کر کے آپ پر گمراہی ہو گیا۔ فرمایا اس کے بعد نیلادہ دن نہیں گذرے کو حضرتؐ نے انتقال کیا۔

### جماعت کا بنتہ نامہ اور بلند ترقی اور شدید مجاہدات

کے باوجود جماعت سے نماز پڑھنے کا بے حد اہتمام تھا۔ صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں۔

”عمر شریف اعلیٰ سے متجاوز ہو گئی، جب بھی پانچوں وقت جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے بالاخانہ سے دجوہت بلند تھا، جماعت خانہ میں اٹوگر ان درلیشوں اور ساتھیوں کے ساتھ جو دو ماں موجود ہوتے تھے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے۔ اس کیسر سنی کے باوجود درجیشہ روزہ رکھتے، کم افظاً کرتے تھے۔“

سلہ فولائد الغواد ص۶۹  
تلہ سیر الاولیاء ص۱۲۵

## شریعت نبی پا بنہ کی اور انبیاء سنت کا اہتمام

حضرت خواجہ خود بھی اتباع سنت کا اہتمام بسی رکھتے تھے کہ  
بقول سعدی ۷۔

مال است سعدی کہ راہِ صفا  
تو ان رفت جن ز در پیے مصطفیٰ  
اور اپنے اصحاب و خدام کو بھی بڑی تاکید فراستھے یعنی یعنی کے  
علاوہ تاکید تھی کہ مستحب و آداب تک فوت نہ ہوں۔ سیر الادیاء  
میں آپ کا ارشاد منقول ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	استقامت می با یہ کہ
کی پیروکی و اتباع پر مصبوطی	بر متائبیت رسول اللہ علیہ السلام
و ثابت قدمی دکھانی چاہئے	والقلوة باشد و یعنی
اور کوئی مستحب اور ادب	مستحبے و آدابے فوت
بھی فوت نہ ہونے پاتے۔	ن شود۔

شارع کے لئے اور جن کو پیری مریدی کرنا ہو شریعت کا علم  
مزدوری سمجھتے تھے۔ تاکہ اس سے کوئی عمل خلاف شریعت نہ صادد  
ہو۔ نہ دوسرے کوئی خلاف شرع امر کی تلقین کرے۔ فرمائیں۔

بیرون ایسا پہنچئے کہ احکام	در
احکام شریعت و طریقت (حقیقت	
کا دخودی) علم رکھتا ہو مالک	باشد
وجوں ایسی چیز باشد	
او خود یعنی نام شریعت	
خلاف شرع کام کے لئے	
نہ کہے گا۔	نہ فرمائیں۔

لے فوانی الفواد ص ۲۷۸

## باب چہارم

### افادات و تحقیقات

**عامی پایہ** حضرت خواجہ باطنی کی اکالات کے ساتھ علوم ظاہری میں بھی بلند پایہ رکھتے تھے۔ اپنے زمانہ کے تمام مروجہ علوم کو بلند تری، محنت اور اہتمام سے پڑھا تھا۔ ان کے اساتذہ میں اس عہد کے نامور ترین فضلا ماءوشیوخ میں۔ ادب اور علم و دینیات کی تعلیم اخنوں نے مستوفی المالک شمس اللہ مولانا شمس الدین خوارزمی سے پائی تھی۔ حدیث کا درس مولا ناکمال الدین زادہ محمد ابن احمد مارکلی سے لیا۔ جو صاحب مشارق الانوار امام حسن ابن محمد الصفاری کے شاگرد اور بیک واسطہ صاحب ہوایہ کے شاگرد تھے۔ کچھ کتابوں کو شیخ بکیر حضرت شیخ فرید الدین فتح علکڑ سے پڑھ کر علم میں مزید جلا رہا حاصل کی۔

**علمی و ادبی مناسبت** اگرچہ اپنی متناسبیت فطری اور شیعہ کی نسبت باطنی کے اثر سے روز بروز الفاظ کے مقابلہ میں معانی اور معانی کے مقابلہ میں حقائق

و احوال اور "اسم" سے زیادہ "سمیٰ" میں مشغولیت بڑھتی گئی۔ پھر بھی علم و ادب سے مناسبت اور علمی ذوق آخر تک فاصلہ رہا۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ مولانا کرن الدین چفر نے کتابات اور مفصل اور ان کے علاوہ بعض کتابیں حضرت سلطان المشائخ کی خاطر نقل کر کے خدمت میں پہنچا تھیں۔ یہ دلائل کتابیں شہوہ مقتزلی فاضل علامہ محمود جاد الشیخ تشری (متوفی ۵۵۳ھ) کی تصنیف میں پہلی کتاب تفسیر میں ہے اور دوسری تجویں۔ اس سے بھی آپ کے علمی ذوق اور وسعتِ لفظ کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی سیر الاولیاء میں ہے کہ سید خاموش ابن سید محمد کو اپنی مجلس خلوت میں خمسہ نظامی حضرت خواجہ کی خدمت میں پڑھتے تھے۔ آپ کا ادبی خذیلہ انسابند اور پاکیزہ تھا کہ امیر خسرو جیسے سرآمدِ روزگار شاعر (جو اپنے طرز میں بے نظیر اور فارسی کے صفت اول کے شعراء میں ہیں) کو شاعری میں مشورہ دیا اور دہنائی فرماتی۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ ابتداء میں امیر خسرو جو غزل کہتے تھے اس کو حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں نظر اصلاح پیش کرتے تھے۔ ایک روز حضرت نے ان سے فرمایا کہ صفا بانیوں کے طرز میں کہا کرو۔

حدیث و فہم پر نظر

سلطان عیاث الدین قطائق کے دربار  
میں مستذمیر اور جو مجلس مناظرہ

لے سیر الاولیاء ص ۲۴۳ تا ۲۷۹ تا ۲۸۰

ہوئی تھی اس میں حضرت خواجہ<sup>ر</sup> نے مسلک پر بحث قدری کی اور اس کی تفاسیر فرمائی۔ اس سے بھی حضرت کے علمی حریت اور دعوت فخر کا اندازہ ہوتا ہے۔

ہندوستان میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی<sup>ر</sup> کے عہد سے پہلے کتب صاحب مندوں میں ہوئی تھیں اور صحیحین تک سے لوگ زیادہ مالوں لوارشا نہیں تھے حدیث میں مشارق الالوار اور حکومت سرای علمی اور فتن حدیث کا منتہی سمجھی جاتی تھی۔ بکثرت موضوع اور صنیع احادیث معرفوں کی زبان پر جاری اور بزرگوں کے ملعوفات مجالس میں بے کلف منتقل ہیں۔ نقد حدیث اور مصنوعات کا علم علامہ محمد طاہر شفیعی سے پہلے یہاں نظر نہیں آتا۔ حضرت خواجہ کے ملعوفات اور سوانح سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایسی بہت سی بے اصل روایات سے (جنہیں زو خلافت ہیں) استدلال نہیں فرماتے تھے اور آپ کی اس پر نظر تھی کہ احادیث صحیح کا سب سے متند جموجموں صحیحین ہیں۔ فوائد الفواد میں ہے کہ کسی نے درافت کیا کہ یہ حدیث کیسی ہے؟ الشیخ شیخ حبیب اللہ<sup>ر</sup> وَإِنْ كَلَّفَكَأَفْرَأً، فَرَايَا كسی کا مقولہ ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ اربیعین (چیزوں حدیث) کی حدیث ہے۔ فرمایا جو کچھ

علیٰ تفصیل کے لئے لاحظہ ہو۔ الشقاق مذہبُ الامم لامیۃ  
فی الہند۔ کاباب حدیث۔

صیحین میں ہے وہ صحیح ہے۔

لے فوائد الفواد محتاط

اس موقع پر اس کا انطباق ضروری ہے کہ باوجود اس کے کہ آپ صیحین کے  
مرتبہ سے واتفاق تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحاح ستہ کے عام طور پر اور صیحین  
کے خاص طور پر ہندوستان میں متداول نہ ہونے کی وجہ سے ان سے علماء و  
شائع کا اشتغال نہیں تھا۔ خود آپ نے بھی داگر مجلس مناظرہ کی رو و مداری کی ہے جبکہ  
منظارہ میں بھی حدیث شوی کو محدث شائع کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ وہ صحاح  
کی احادیث نہیں ہیں۔ اور محدثین کے نزدیک ان کا پایہ پچھہ بیند نہیں ہے۔ فرقی  
 مقابل کے علماء نے بھی جو اکابر علماء اور اعيان قضاۃ میں سے تھے جس طرح گفتگو  
اور استماع اور کمل ہے۔ اس سے علم حدیث سے ذرفت ان کی بنی جنری کا ثبوت  
ہتا ہے بلکہ ایک عالم دین کو اس کے بلے میں جور دی اختیار کرنا چاہیے۔ اس  
کی کمی کا بھی احساس ہوتا ہے۔ کتب صحاح اور نقد حدیث اور جرح و تعذیل  
کے فن کے شائع نہ ہونے کی وجہ سے خالقا ہوں میں بہت سی ایسی رسم بیہاں  
تک کمجدہ تقطیعی رائے تھیں۔ اور بہت سے ایسا وفات و ایام کے فضائل کی  
روایات مشہور تھیں اور شائع کے مفہومات میں ان کا بڑی آب و تاب سے  
ذکر آتا ہے جن کا احادیث کے صحیح جمیعوں میں کوئی وجود نہیں اور حدیث ان  
میں سخت کلام کرتے ہیں۔ اس کو پیش نظر کرتے ہوئے حضرت محدثین اور مخلصین کی  
کوششوں کی قدر چوتی ہے جنہوں نے ہندوستان میں فتنی حدیث کی اشاعت  
کی۔ اور سیع و ضعیف احادیث میں انتیاز پیدا کیا۔ شکر اللہ مسأ عینہ

**اہمیت علم** اپنے شانگ کرام کی طرح آپ کی نظر میں بھی علم کی بڑی اہمیت اور عظمت تھی اور اس

کو سالکین اور ان لوگوں کے لئے جوار شاد و تربیت کا کام کریں آپ بہت ضروری سمجھتے تھے۔

بنگال کے ایک نہایت عالی استعداد نوجوان جو بعد میں انہی سراج الدین کے نام سے مشہور ہوتے اور جو پنڈوہ کی مشہور عالم چشتی خالقاہ کے بانی اور سر حلقہ ہیں۔ لامعنوی سے بہ نیت ارادت دہلی آتے حضرت خواجہ کے مرید ہوتے۔ آپ نے مولانا فخر الدین زادوی سے فرمایا کہ یہ جوان بڑی قابلیت رکھتا ہے۔ اگر کچھ علم فاہر بھی رکھتا ہو تو اودھی میں ستحکم ہوتا۔ یہ اتنے مولانا فخر الدین نے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں اس کو کچھ عرصہ اپنی محبت میں رکھکر ضروری مسائل یاد کراؤں فرمایا کہ یہ آپ کی محبت کا بڑا سبقت ہے۔ مولانا فخر الدین ان کو اپنے ساتھ لے گئے اور عرصہ قلیل میں علم سے مناسبت پیدا کرادی حضرت خواجہ کی وفات کے بعد بھی وہ یکمیل علم کے لئے کچھ عرصہ دہلی میں تکھیرے رہے۔ پھر وطن واپس آگئے اور مشرق و بنگال میں مسلم چشتیہ نظامیہ کی اشاعت کا فریضہ بننے لے

لہ سیر العارفین وغیرہ۔

علم فناہرو باطن کی اس جامیت  
اخلاں اور تفکر و مجاہدات کی

### بندِ سب و مذاہب

بنابر آپ کو ان یونہ اور صحیح علوم اور حقائق دعاء و اثر  
ملا۔ جواہیار کاملین اور کھار مخلصین ہی کو ملائکتا ہے۔ اور جو صفاتی  
باطن و طہارت اخلاق اور اخلاں کا لازمی نتیجہ ہے۔ اور جن کو اپنی تقویٰ  
علوم الدینیہ سے تعمیر کرتے ہیں۔ صاحبہ سیر الاؤلیاء۔ لکھتے ہیں کو کسی علم میں  
گھنگو ہوتی یا کوئی اشکال پیش آتا، آپ اپنے نور باطن سے ان کا  
جواب شافی عطا فراتے۔ ۷

اے لقاۓ تو جواب ہر سوال  
مشکل از تحمل شود بے قتل و تعال

آپ اس سلسلہ رسیں میمع تقریر فراتے کہ تمام حاضرین مجلس حیرت  
میں رہ جاتے، اور ایک دوسرے سے کہتے کہ یہ کتابی جوابات  
ہیں۔ یہ الہام رباني اور علم الدین کے فیوض ہیں۔ اسی بناء پر  
شہر کے چھوٹی کے علماء جو تقویٰ کے منکر اور اہل لقوف کے  
متلاف مشہور تھے۔ حضرت خواجهؒ کے حلقة بگوش اور اپنے علمی عزود  
اور زخم پر نادم ہوتے اور آپ کے خدام اور ارادتمندوں میں  
شامل ہو گئے۔

اس علمی رسوخ، اتباعِ سنت اور استقامت  
علی الشریعت نے آپ کے ذہن کو ایسا

### سید بہجت شریف

سلیم اور مستقیم بنادیا تھا کہ اہلِ تصور میں جو باقیت عرصہ دریاز سے ظاہر  
شریعت کے خلاف پہلی آئی تھیں اور بہت جگہ اہلِ تصور کا  
شعار بن گئی تھیں۔ آپ اپنی سلامتی ذہن سے ان کو قبول نہیں کرئے  
تھے اور آپ کا ذوق اور تحقیق ان کے خلاف تھی۔

تصوف کے حلقوں میں بہت عرصہ سے اس خیال کا اظہار ہو رہا  
تھا کہ ولایتِ نبوت سے افضل اور اولیاء کو انبیاء پر فضیلت حاصل  
ہے۔ اس لئے کہ ولایتِ عبارت ہے حضرت حق کے ساتھ مشغولیت اور  
امویٰ اللہ کے انقطاع سے اور نبوت میں دعویٰ و نسلیۃ کی وجہ سے  
خالق کے ساتھ مشغولی ہوتی ہے۔ پھر اس میں اور کسی مذہب پر مدد ہو گئے  
اور کسی نے یہ تاویل کی کہ انبیاء کی ولایت ان کی نبوت سے افضل ہے لیکن آپ  
ان کو تسلیم نہیں کرتے فوائدِ الفواد میں چہ کہ حضرت خواجه نے فرمایا کہ مذہب  
باطل ہے اس سبب سے کہ اگر چاہیا مخلوق کے ساتھ مشغول ہوتے ہوں لیکن  
جن وقت کہ وہ حق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں اس مشغولیت کا تعلیل سے قلیل  
زمانہ بھی اولیاء کے تمام اوقات پر فضیلت رکھتا ہے۔

لہ فوائدِ الفواد ص ۲۳ امام ربانی حضرت محمد دلف شافعیؒ نے ائمہ زید احادیث کیا کہ انبیاء  
صین مشغول بخلق کی حالت میں بھی اولیاء سے دیکھنے اس وقت جب وہ حق دعویٰ کرنے

**حدائقِ مانعِ راہِ خدا** اُنہیں  
تقویٰ کے متلق عالم طور پر  
یہ سمجھا اور مشہور کیا جیسا ہے کہ تقویٰ  
تقطیل اور بے کاری و بے عملی کا نام ہے۔ اور ہر اشتغال دھولِ الٰہ اللہ

سے مانع اور راہِ سلوک کا رہن ہے۔ حضرت خواجہ معرفت و تحقیق کے  
بُشِ مقام پر فائز تھے اور وسائل و رسم سے بلند چوکر مقاصد اور  
لب بباب پر جس طرح آپ کی لفڑی تھی اس کا معنی تھا کہ آپ  
اس مقام سے آگئے بڑھ چکے تھے اور قتل حلال و مشروع کی نورانیست  
اور اس کا ذریعہ قرب ہونا آپ کی نظریں تھا حضرت خواجہ میر محمد گیوسودا ز  
کے محفوظات "جوامِ الکلم" میں ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین نے فرمایا۔

یعنی کہ (چیز) کہ حلال است کوئی چیز جو حلال ہے را وجد  
مانع را خدا تی نیست۔ کی مانع اور قاطع سلوک  
و قاطع سلوک فیت و گرنہ سنیں ورنہ مشروع حلال نہ  
مشروع و حلال نبود کی۔ ہوتی۔

### لے جوامِ الکلم م ۱۱

ڈھونکہ نہیں کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں، زیادہ متوجہ الٰہ اللہ اور  
مشغول باللہ ہوتے ہیں۔ ان کی مشغولیت بحق چونکہ حکم الٰہی سے  
ہوتی ہے اس لئے وہ یعنی مشغولیت بحق اور امر الٰہی کا اشتغال ہوتا  
ہے۔

## فلک متوجہ الٰی اللہ کے بعد کوئی چیز نہ سہیں

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ خدا کی طرف متوجہ دل اور پاک نفس چاہیے۔ اس کے بعد جس کام میں رہنا ہو رہا تھا میریں کوئی نفسمان نہ ہو گا۔

## ترکِ دنیا کی حقیقت

ترکِ دنیا اور حقیقی زندگی و در دشی کی حقیقت بیان کرتے ہوئے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔

ترکِ دنیا کے معنی یہ نہیں	ترکِ دنیا آن نیست
ہیں کہ کوئی اپنے کونٹاکر کو	کہ کسے خود را برہنہ
مثلاً لنگوڑ باندھ کر بیٹھ جائے	کنہ مثلاً لنگوڑ تہابست دو
صحیح معنی میں ترکِ دنیا یہ	بنتیں د، ترکِ دنیا آن
ہے کہ کچھ سے پہنچ کھانا کھائے	ست کر بیاس پوشید و طعام
اور جو کچھ میسر آتے اس کو	بخورد و اپنے رسدر وا
استعمال کرے لیکن اس کے	بارد و بھیع اولیل نکند و خاطر

لے یعنی مشروع وجہ عاشی اور ظاہری مشاغل وغیرہ۔ ۱۷

تہ سیر الاولیاء صفت

جمع کرنے کی طرف متوجہ  
نہ ہو اور اپنے دل کو کسی  
چیز میں پھنسائے نہیں  
یہی ترک دنیا ہے۔

را منتعلق  
چیز سے مدارد  
ترک دنیا  
است۔

**طاعت لازم و متعبدی**  
فریایا۔ طاعت کی دو قسمیں  
ہیں لازم اور متعبدی طاعت

لازمی اسے کہتے ہیں جس کی منفعت طاعت کرنے والے کو پہنچے  
جیسے نماز، روزہ، حج، اور ادب و تبیحات وغیرہ۔ طاعت متعبدی وہ  
ہے جس کی منفعت اور راحت دوسرے کو پہنچے، مثلاً دوسرا نوں  
میں اتفاق کر دینا، شفقت، دوسرے کے ساتھ مہربانی وغیرہ  
اس کو طاعت متعبدی کہتے ہیں۔ اور اس کا ثواب بے حد و بے  
اندازہ ہے۔

طاعت لازمی کی قبولیت کے لئے بڑے اخلاص کی ضرورت  
ہے اور طاعت متعبدی جس طرح بھی کرے گا ثواب ملے گا۔

**کشف و کرامات جواب راد**  
ارشاد ہوا کہ اولیاء سے  
جو کچھ اظہار ہوتا ہے۔  
وہ ان کی سکر و مستی کا نتیجہ ہے۔ اس لئے کہ وہ اصحاب سکر میں۔ اس

کے برخلاف انبیاء و اصحاب صحوہ ہیں۔ سالک کے لئے کشف و کرامات  
جہاپ راہ ہیں۔ محبت سے استقامت پیدا ہوتی ہے۔

**علوم انبیاء و اولیاء** جس کو طور جس کہنا چاہیے۔ دوسرا

طوب عقل اور تیسرا طور قدس۔ طور جس میں معلومات دکھانے پینے کی چیزیں مشوّات (جن کی خوشبو محسوس ہوتی ہے) وغیرہ محسومات معلوم ہوتی ہیں۔ اس کے بعد طوب عقل ہے اس کا تلقن دو علموں سے ہے کسبی اور بدیہی، لیکن عالم قدس میں پہنچ کر عقل سے حاصل کئے ہوئے کسبی علوم بھی بدیہی معلوم ہونے لگتے ہیں پھر فرمایا کہ بدیہی بھی عالم قدس نہیں ہے کسبی کا کیا ذکر؟ وہ انبیاء و اولیاء کے علوم ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ جس پر عالم قدس کا دروازہ کھلتا ہے۔ اس کی علامت کیا ہو سکتی ہے؟ جو شخص عالم عقل میں ہوتا ہے اور وہ کسی مسئلہ کو بدیہی یا کسبی علم سے حل کرتا ہے اور اس سے اس کو ایک فرحت حاصل ہوتی ہے وہ عالم قدس میں راہ نہیں پاتا۔ اس درمیان میں کسی بزرگ کا واقعہ بیان کیا کرو وہ فرماتے تھے کہ عنیب سے کچھ علوم اور واردات دل پر گزتے ہیں انشا اللہ ان کو قلم بند کر دیں گا۔ اس کے بعد بہت کچھ لکھا پھر

فرمایا کہ بہت کچھ لکھا گیا لیکن جو کچھ مقصود تھا وہ منضبط تحریر میں نہیں  
آسکا۔

### دنیا کی محبت اور حادث

ایک دن اس کا ذکر ہو رہا تھا کہ کسی کو دنیا کی محبت ہوتی ہے اور کسی کو اس سے نفرت۔ فرمایا کہ تین طرح کے لوگ ہوتی ہے اور کسی کو اس سے نفرت۔ ایسے لوگ بہت ہیں۔ کچھ دوسرے کی یاد اور نکار میں رہتے ہیں۔ ایسے لوگ ہوں۔ کچھ دوسرے کے لوگ ہیں جو دنیا سے نفرت کرتے ہیں اور اس کا خقارب کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ اور ہمیشہ اس کی دشمنی میں رہتے ہیں تمیزی کی قسم ان لوگوں کی ہے جن کو نہ دنیا سے محبت ہوتی ہے نہ نفرت اور وہ اس کا ذکر محبت یا حادث کے ساتھ نہیں کرتے۔ یہ پہلی دلوں قسموں سے بہتر ہے۔ اس کے بعد آپ نے حکایت سنائی کہ ایک شخص حضرت رابعہ بھریؓ کے پاس آیا اور دنیا کی محبت مذمت کرنے لگا۔ حضرت رابعہ بھریؓ نے اس سے کہا کہ برائے ہمراں اب اس کے بعد نہ آئیے گا۔ آپ کو دنیا سے محبت معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ آپ اس کا بہت ذکر کرتے ہیں۔

لئے فوائد الفوادج ۱ ص ۲۴

لئے الیضاوج ۱ ص ۵۶

## مراتب تبلو فرآن

ایک مرتبہ آپ نے تلاوت قرآن کے مراتب اس طرح

بیان فرمائے کہ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ جو کچھ پڑھے اس کے معانی دل پر گزندارے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ پڑھتے وقت اللہ کی عظمت و جلال کو دل پر ٹداری کرے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ پڑھنے والے کا دل حق تعالیٰ کے ساتھ متعلق و مشغول ہو۔

فرماتے کہ قرآن پڑھتے ہوئے تو کم از کم اس شعور کو ہر شخص میں ہونا چاہیے کہ میں اس نعمت کے لائق کہاں تھا۔ اوزیرے نصیب ایسے کہاں تھے کہ مجھے یہ دولت ملے۔ اگر یہ سب حاصل نہ ہو تو پہنچنے پر جس ثواب اور جزا و عدہ ہے اس کو ذہن میں تازہ اور مستحضر کھا جاتے یہ

اگرچہ حضرت خواجہؒ نے جیسا کہ انھوں نے کہنی بار ارشاد فرمایا کوئی تصنیف نہیں کی۔ لیکن آپ کی سب سے بڑی تصنیفات آپ کے تربیت کئے ہوئے اور آپ کی صحبت پائے ہوئے وہ خلقائے کبار اور اصحاب نامدار ہیں جو عمل صلح اور علم صلح کا نمونہ تھے اور جن کے دل کی راستی علم کی گہرائی اور نہم کی پیچگی۔ الواسیخین فی العلیم کے شایان شان تھی۔ ایمیں علام سنجی کی فوائد الفواد اور امیر خور د کی سیر الاء ولیاء میں آپ کے بہت سے اقوال و مقولات منقول ہیں۔ جو آپ کی شان تحقیق کا مظہر ہیں۔ لفاظ الفواد ص ۲۷ فوائد الفواد ص ۲۸ فخر الجمیل ص ۲۹

## باب پنجم

### فیوض و برکات

**قبل اس کے کہ ان فیوض  
تبدیل امانت و توبہ نامہ**

جو حضرت خواجہ نظام الدین<sup>ر</sup> کے ساتھ تعلق اور ان کے باختر پر توبہ و بیعت کے ذریعہ لاکھوں مسلمانوں کو پہنچے۔ اور ایک ایسے زمانہ میں جب مسلمانوں کی حکومت اپنے پورے عروج پر تھی اور غفلت خدا فراموشی اور نفس پرستی کے اسباب و محکمات پورے شباب پر تھے۔ ایک ایسی دنی اور روحانی لہر پیدا ہوئی جس کو ار محسوس کرنے والے نے محسوس کیا۔ مناسب مسلمان ہوتا ہے کہ مشائخ طریقت کی بیعت عام اور ارشاد و تلقین توبہ کی حکمت اور مزودت بیان کردی جاتے۔ یا کہ معلوم ہو کہ کن حالات و حفظ ریات کے ماتحت اس طریقے کو اختیار کیا گیا اور اس سے کیا دینی فوائد پہنچے راقم سطور نے تاریخ دعوت و عزیمت کے حدتہ اول میں حضرت

سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے تذکرہ کے ضمن میں جو کچھ لکھا تھا اپنے اسی  
کو کسی قدر اختصار و ترمیم کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے۔

"خیر القرون کے بعد اسلامی آبادی کا پھیلاؤ اور زندگی  
کی ذمہ داریاں اور معاشری تفکرات اتنے بڑھ گئے تھے کہ  
خصوصی تعلیم و تربیت کے ذریعے سے عمومی اصلاح و  
تریبیت کا کام نہیں لیا جاسکتا تھا اور کسی بڑے پیمانہ  
پر کسی دینی اور روحانی انقلاب کی توقع نہیں کی جا سکتی  
تھی۔ پھر اس کی کیا صورت تھی کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد  
اپنے انسان کی تجدید کرے۔ دینی ذمہ داری و پاسندیوں  
شور و احساں ذمہ داری کے ساتھ دوبارہ قبول کرے  
اس میں پھر اپنی ایسا نی کیفیات اور دینی جذبات  
پیدا ہوں۔ اس کے افسردگر دل میں پھر محبت  
کی گرمی پیدا ہو۔ اور اس کے مصلحت توہی میں پھر حکمت  
و لشاط پیدا ہو۔ اس کو کسی منقص خدا شناس پر اعتقاد ہو  
اور اس سے وہ اپنے امراض و روحانی و لفظانی میں علاج  
اور درین کی صحیح روشنی اور رہنمائی حاصل کرے۔ ناظرین  
کو اس کا اندازہ ہو چکا ہے کہ اسلامی حکومتیں جن کا یہ  
اصلی فرض تھا اس لئے کہ جس نبی کی نیابت و نسبت پر  
وہ قائم تھیں بقول سیدنا عمر و بن عبد العزیز وہ ہدایت

کے لئے سبتوں ہوا تھا۔ جماعت، "تحصیل و مول" کیلئے  
نہیں، نہ صرف اس فریضت سے غافل اور کنارہ کش ہو چکی  
تھیں بلکہ اپنے سربراہوں اور عمال حکومت کے اعمال  
و کروار کے لحاظ سے اس کام کیلئے مضر اور اس کے  
راستے میں مزاحم تھیں۔ دوسری طرف وہ اس قدر  
بدگمان، تو ہمہ پرست اور شکنی واقع ہوتی تھیں کہ کسی  
نتیٰ تنقیم اور نتیٰ دعوت کو جس میں قیادت و سیادت  
کی آمینہ شد پاتیں برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ اس کو وہ  
فروٹ کھل کر رکھ دیتیں۔ ایسی صورت میں مسلمانوں میں  
نتیٰ دینی زندگی، نیاننکم و بمنی اور نتے سرے سے حرکت  
و عمل پیدا کرنے کے لئے اس کے علاوہ کیا مشکل تھی کہ  
خدا کا کوئی مخلص بننے والے خضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے  
پر ایمان و عمل اور اتباع شریعت کے لئے بیعت لے  
او مسلمان اس کے لاتھ پر اپنی سابقہ غفلت و جاہلیت  
کی زندگی سے توبہ اور ایمان کی تجدید کریں۔ اور کچھو  
تا تب سپتیہ ان کی دینی نگرانی و تربیت کرے۔ اپنی کمیا  
اثر صحبت، اپنے شملہ محبت، اپنی استقامت اور اپنے  
نقشِ گرم سے پھر ایمانی حرارت، گرمی محبت، خلوص  
و تہبیت، جذب اتباع سنت اور شوق آخرت پیدا کر دے۔

آن کو اس نئے تعلق سے مسوس ہو کر انہوں نے ایک زندگی  
سے تو بکھرے اور ایک نئی زندگی میں قدم رکھا ہے اور  
کسی اللہ کے بندے سے کے اتحاد میں با تحدید سے درا ہے  
وہ بھی یہ سمجھ کر ان بیعت کرنے والوں کی اصلاح و تربیت  
اور ان کی دینی خدمت اللہ تعالیٰ نے میرے پر دکی ہے  
اور اس محبت و اعتماد کا مجھ پر نیا حق قائم ہو گیا چہ پھر  
اپنے تجربوں و اجتہاد اور کتاب و سنت کے اصول و قیام  
کے مطابق ان میں سچ روحانیت و تقویٰ اور کی زندگی  
میں ایمان احتساب و اخلاص اور آن کے اعمال و جلوات  
میں ایمانی کیفیات اور روح پیدا کرنے کی کوشش کرے  
یہی حقیقت ہے اس بیعت تربیت کی جس سے دین کے  
علم داعیوں نے اپنے اپنے وقت میں احیاء و تجدید دین  
اور اصلاح مسلمین کا کام لیا ہے۔ اور لاکھوں بندگان خدا کو  
حقیقتی لسان اور درجہ احسان تک پہنچا دیا ہے۔

**بیعت ایک سب و معاہدہ**  
بیعت ایک سب و معاہدہ  
سے تو بہ اور خدا  
و رسول کے احکام کی تعییل اور اتہارع شریعت کا ایک معاہدہ ہوتا

لہ تاریخ دعوت و عزیمت رحمۃ اول ص

تھا۔ سلطان المشائخ بیعت لیتے وقت بیعت کرنے والے سے کیا الفاظ  
کھلواتے تھے اور آئندہ کے لئے اس سے کیا عہد لیتے تھے۔ کسی  
مذکورہ میں اس کے صحیح الفاظ نظر سے نہیں گزرے۔ لیکن حضرت خواجہ  
نے خود اپنے شیخ و مرشد شیخ بکیر حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کے  
بیعت یعنی کاظریق اور ان کی تلقین کا ذکر کیا ہے اور ان کو اپنے  
شیخ سے جو والہاں تعلق اور ان کی پیری کا وجود بتھا اس سے یہی  
قیاس کیا جاسکتا ہے کہ وہ بھی اسی طرح اپنے نئے مریدین کو تلقین فرماتے  
ہوں گے۔ ارشاد ہے۔

جب کوئی شخص شیخ شیوخ العالم فرید الدین والحق کی خدمت  
میں پہنیت ارادت آتا فرماتے پہلے ایک بار سورۃ فاتحہ  
اور سورۃ اخلاص پڑھو، اس کے بعد سورۃ بقر کا آخری  
رووع امن الرسول سے آخر کپ پڑھتے۔ اس کے بعد  
شہد اللہ انتہ لا إلہ إلا هو ..... اَنَّ الدِّينَ  
عِنْدَ اللَّهِ الْاَسْلَامُ بِمَا كَفَرُوا اس کے شیخ اور  
کشم نے بیعت کی اس صفت کے باحتدایدا اس کے شیخ اور  
اور شیخ کے مشائخ کے باختدایدا اور حضرت بکیر علیہ القیوۃ  
والسلام کے دست مبارک پر، اور حضرت عزت  
(جل جلالہ) سے عہد کیا کہ اپنے باختدایاؤں اور آنکھوں  
کی حفاظت کرو گے اور شریعت کے راستہ اور طریقے

پر قائم رہو گے۔"

بیعت کی اس تلقین میں اسلام کے بنیادی عقائد آگئے۔ سمع و طاعت (ستے اور ماننے) کا وعدہ اور ارادہ بھی آیا۔ یہ بات بھی آنکھی کہ اللہ کے یہاں قابل قبول دین صرف دین اسلام ہے۔ اس کا احساس بھی بیدار و تازہ کر دیا گیا کہ یہ بیعت دراصل دستِ مبارک نبوی پر ہے اور شیخ کا اتحادِ دستِ مبارک کا قائم مقام ہے۔ رب العزت سے اس کا بھی عہد کیا گیا کہ اتفہ پاؤں اور لاکھوں کی معصیتوں سے حفاظت کی جاتے گی۔ اور راہِ شریعت پر قائم رہا جاتے گا۔ تجدید ایمان اور خدا اور رسول سے اپنا پُدا نا عہد استوار کرنے کا اس سے بہتر اور حام فہم طریقہ کیا ہو سکتا ہے؟ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ بیعت کرنے والے سونی صدی اس عہد پر قائم رہتے تھے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بیعت کرنے والوں میں سے ایک بڑی تعداد اس اقرار اور عہد کی شرم اور لاج رکھتی اور ہزاروں اور لاکھوں بندگانِ خدا کے لئے یہ تجدید ایمان اور انقلابِ حال کا ذریعہ بن جاتی۔

**ثیوں بیعت کی حکمت** بیعت و ارشاد میں ان حوزوں  
نے جو وسعتِ واذنِ عام  
فرما رکھا تھا اور جس طرح بغیر کسی امتحان اور اختیار کے لوگوں کو اجازت

تمی کہ وہ سیعیت کریں اور حلقہ ارادت میں داخل ہو جائیں۔ خاص طور پر حضرت خواجہ کے یہاں اس باب میں جو وسعت و رعایت تھی۔ اس پر بعض لوگوں کو یہ کھنک پیدا ہو سکتی ہے کہ جب سیعیت ایک معابرہ ہے اور اس کا تعلق پوری زندگی سے ہے تو اس میں اتنی وسعت کیوں روا رکھی گئی ہے؟ حضرت خواجہ نے ایک موقع پر خود ہری اس اشکال کا جواب دیا ہے۔ اور اس عمومیت کی حکمت بیان کی ہے۔

مولانا ضیاء الدین برلنی (مصنف تاریخ فیروز شاہی) فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت سلطان المشائخؒ کی خدمت میں حاضر تھتا۔ اشراق سے چاشت ہٹک آپ کی روح پر در جان لواز باتیں سننا رہا، اس روز خاص طور پر بہت کثرت سے لوگ سیعیت ہوتے رہے ویکھ کر میرے دل میں آیا کہ مشائخ متقدیں نے مرید کرنے میں بڑی اختیاط سے کام لیا ہے۔ سلطان المشائخؒ نے اپنی فیاضتی و عنایت سے اس کا اذن عام دے دیا ہے۔ اور آپ عام و خاص سب کو مرید کر لیتے ہیں۔ میں نے چاہا کہ میں اس بارے میں سوال کروں۔ سلطان المشائخؒ اپنے کشف سے میرے خطرے پر طبع ہو گئے فرمایا۔

”مولانا ضیاء الدین! تم ہر طرح کی باتیں پڑھتے ہو، یعنی پڑھتے کریں بغیر تحقیق کے آنے والوں کو کیوں مردھ کر لیتا ہوں؟“

یہ ستر کو مجھ پر لرزہ ساطاری ہو گیا اور میں نے آپ کے قدمے  
کر عرض کیا کہ ایک عرصہ سے میرے دل میں یہ اشکال تھا۔ آج بھی  
یہ دوسرا آیا تھا۔ اللہ نے آپ کے دل میں یہ بات ڈال دی جس کو  
نے فرمایا۔

حق تعالیٰ نے ہر زمانہ میں اپنی حکمت بالغہ سے ایک  
خاصیت رکھی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر زمانہ کے  
لوگوں کی راہ و رسم اور عادیوں الگ ہوتی ہیں۔ اور ان  
کے مزاج و طبیعت پھیلے لوگوں کے طبائع و اخلاق سے  
میں نہیں بحالت تھوڑے لوگ اس سے مستثنی ہوتے ہیں اور  
یہ ایک تجربہ کی بات ہے۔ ارادت کی اصل یہ ہے کہ مرید  
ماسوی اللہ سے منقطع اور مشغول مع اللہ ہو جاتے۔ جیسا کہ  
کتب الفتوح میں تفصیل کیا تھا درج ہے: مشائخ المتفقین  
جب تک طالب ارادت میں انقطاع کلی نہ دیکھ لیتے بیعت  
کا با تک نہیں۔ بحالتے تھے لیکن سلطان ابو سید ابوال Zinc  
عہد سے لے کر شیخ سیف الدین بخارزمی کے زمانہ تک  
اویشع الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی کے وقت  
سے لے کر شیخ شیوخ العالم فرید المحت والدین قدس  
اللہ سرہ العزیز کے وقت تک کہ یہ سب حضرات مسأمد  
روزگار اور آیت اللہ من آیات اللہ تھے۔ خلق خدا کا ان کے

در وازوں پر بند بجوم ہوا، اور ہر طبقہ کے لوگوں نے اثر جھاٹ کیا۔ ان بندگان خدا نے آخرت کی ذمہ داریوں سے ڈر کر ان عاشقان خدا کا دامن تھامنا چاہا۔ اور ان مشائخ بخاری نے بھی خاص و عام کو اپنی بیعت میں قبول کیا۔ اور خرقہ تو بہ و تبرک عطا کیا۔ ہر شخص ان محبوبانِ خدام کے معاملات پر اپنے کو قیاس نہیں کر سکتا کہ شیعۃ ابوسعید شیعۃ سیف الدین یا خرزسی، شیعۃ شہاب الدین شروع کیا اور شیعۃ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ اسلام ہم نے جس طرح لوگوں کو مرید کیا۔ میں بھی مرید کروں۔ اس لئے کہ اگر خدام کا کوئی محبوب گھاہگاروں میں سے ایک عالم کو اپنے دامن عاطفت میں لے لے تو لے سکتا ہے

— اب میں تمہارے سوال کا جواب دیتا ہوں کہ میں مرید کرنے میں کیوں زیادہ احتیاط سے کام نہیں لیتا اور اپنا اطمینان نہیں کرتا، ایک وجہ تو یہ ہے کہ میں علی سبیل التواتر سن رہا ہوں کہ بہت سے مرید ہونے والے مقصیت سے متاثب ہو جاتے ہیں۔ نماز باجماعت ادا کرنے لگتے ہیں اور اوراد و فوافل میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اگر میں بھی شروع ہی سے اس بات کی شرط کروں کہ ان میں ارادت کی حقیقت یعنی انقطاع کلی پایا جاتا

ہے کہ نہیں اور ان کی توبہ و تبرک کا خرقد جو خرقہ  
 ارادت کی جگہ پر ہی ہے) نہ دوں تو وہ خیر کی اس  
 مقدار سے بھی جو ان اللہ کے بندوں سے وجود میں آ رہی  
 ہے محروم ہو جائیں گے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ بغیر اس کے  
 کمیرے دل میں خیال آتے یا میں اس کی درخواست  
 اور التاس کروں یا کوئی وسیلہ اور سفارش اختیار  
 کروں شیعہ کامل و مکمل (شیعہ بکیر) نے مجھے بیعت لینے  
 کی اجازت دی میں دیکھتا ہوں کہ ایک مسلمان بھری عاجزی  
 و درمانہگی اور بڑی ملکنت دے بے چارگی کے ساتھ  
 میرے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تمام گاہوں  
 سے توبہ کی۔ میں یہ سمجھ کر کہ شاید اس کی بات پرع ہو اس  
 کو بیعت کر لیتا ہوں۔ خاص طور پر اس لئے کہ بہت  
 سے معتبر لوگوں سے سنتا ہوں کہ بہت سے بیعت کرنے  
 والے اس بیعت کی وجہ سے معاصی سے باز آ جاتے  
 ہیں۔

**غمون نندن پسر** اس بیعت و تعلق کا جس سے  
**مسلمانوں کے ہر طبقے کے لوگ**

لے سیروا ولیا ر ۲۳۰ و ۲۳۱ بحوالہ حضرت نادر مولانا خیام الدین برلن۔

یکجاں مستفیض ہوتے۔ عام زندگی و معاشرت، لوگوں کے اخلاق و عادات، اشغال و اوقات اور اپنی حکومت سے لے کر اپنی حرفاً تک کے حالات پر کیا اثر ہڈا۔ اور دارالحکومت دہلی میں جو شوکت قوت، دولت و ثروت، اور عیش و عشرت کا گھواہ تھا۔ اور سارے ہندوستان کا مال غنیمت اور سیکھوں ہزاروں برس کے خزانوں کے زر و جواہر، صناعوں کی مصنوعات اور ملک کے اطراف و جوانب کے تحائف و عجائب ات روزانہ سیل رواں کی طرح دریاں آمئد رہے تھے۔ دینداری، خدا طلبی، عشقِ الہی، توبہ و انبات اور رجوع الی اللہ صفاتی معاملات، راستِ حکماً اور دینداری کی کیا کیفیت پیدا ہو گئی تھی اس کی تفصیل اُس عہد کے صاحب نظر اور معتبر مورخ صنایع الدین برلن کی زبان سے ہے۔ وہ سلطان علام الدین خلبی کے زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”سلطان علام الدین کے زمانہ کے مشائخ میں سے سجادہ تھوڑ شیخ الاسلام نظام الدین شیخ الاسلام علام الدین اور شیخ الاسلام رکن الدین سے آراستہ تھا۔ ایک دنیا ان

لئے تاریخ فیروز شاہی کے اقتباس کا یہ ترجمہ سید صباح الدین عبدالرحمن ایم۔ اے ”دینیق دار المصنفین“، کی کتابت بزم صوفیہ“ سے محدث و اخ قادر کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ ص ۱۹۹ اور ص ۲۰۰

کے انفاسِ میر کو سے روشن ہوتی اور ایک عالم نے ان کی بیعت کا اٹھ پکڑا۔ اور ان کی مدد سے گناہگاروں نے توبہ کی۔ اور ہزاروں بدکاروں اور ربے نمازوں نے بدکاری سے باختصار ہالیا اور ہمیشہ کے لئے پابندی نماز ہو گئے۔ اور باطنی طور پر دینی مشق کی طرف رعبت ظاہر کی۔ اور توبہ صحیح ہو گئی اور عبادات لازمہ اور مندیہ کاممیوں ہو گیا۔ اور دنیا کی حرص و محبت جو انسانوں کے فوائد اور فرانبرداری کی بنیاد ہے۔ ان مشائخ کے اخلاق حمیدہ اور ترک و تحریک کے معاملات کے دیکھنے سے دلوں سے کم ہو گئی۔ اور سالکوں کو لواہل اور وظائف کی کثرت اور اوصافِ عبودیت کی پابندی سے کشف دکرامات کی آرزو دل میں پیدا ہونے لگی اور ان بزرگوں کی عبادات و معاملات کی برکت سے لوگوں کے معاملات میں سچائی پیدا ہو گئی۔ اور ان کے مکاریم اخلاق و مجاهدہ دریافت کے دیکھنے سے اللہ والوں کے دلوں میں اخلاق کے بدلنے کی خواہش پیدا ہوتی۔ اور ان دینی بادشاہوں کی محبت اور اخلاق کے اثر سے خداوند تعالیٰ کے فیض کی بارش دنیا میں ہونے لگی، اور آسمانی مصیبتوں کے دروازے بند ہو گئے۔ اور ان کے زمانہ کے لوگ تحملو

و با کی مصیبت میں بستلا اور گرفتار نہیں ہوتے۔ اور ان کی مخلصانہ اور عاشقانہ عبادت گزاری کی برکت سے مختلف کافشہ جو سب سے بڑا فتنہ تھا الیسا فروہوا اور یہ تمام ملائیں اس قدر آوارہ و تباہ ہوتے کہ اس سے نیا یہ تباہ نہیں ہو سکتے تھے۔ اور یہ تمام باقیں جو ان تینوں بنگرلوں کے وجود سے ان کے معاصرین کو نظر آئیں، وہ شعرا اسلام کی بلندی کا ذریعہ بن گئیں اور احکام شریعت و طریقت کو حور ولق و رواج حاصل ہوا اس کا کیا کہنا۔ کتنا عجیب زمانہ وہ تھا، جو سلطان علام الدین کے آخری دسوں سال میں نظر آیا۔ ایک طرف سلطان علام الدین نے ملک کی بہتری کے لئے تمام مشتی اور منوع چیزوں کو اور فسق و فجور کے اس باب کو قهر و غلبہ تعزیر و تشدد اور قید و بند سے روک دیا۔ اور مال جو دینی اور ملکی فساد کا ذریعہ اور ہوا پرستوں کیلئے گناہوں کا آر اور جرمیوں بھیلوں اور تاجروں کے لئے سود، ذخیرہ اندوزی کا سامن اور اور فتنہ پردازوں کے لئے بغاوت کی استفادہ اور زیکوں کے لئے بکری مفارزت، غفلت اور کسلنگی پہنچانے والا ہے۔ اور عبادت گذاروں کے لئے نیان و فراموشی کا باعث ہے۔ سلطان علام الدین ہر بہانہ سے کہ جو اس کو ملتا

مالداروں اور حکام سے سختی سے لے لیتا۔ اور بازار والوں کو کہ دنیا کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والی اور سب سے زیادہ فریب کرنے والی قوم ہے پہنچانی اختیار کرنے، پہنچانی کے ساتھ مال بینپے اور سچ کہنے کے لئے خون خراب میں رکھتا تھا

دوسری طرف اسی زمانہ میں شیعہ الاسلام نظام الدین نے بیعت کا عام دروازہ کھوں رکھا تھا۔ اور گناہ گار لوگوں کو خرقہ پہنلتے اور ان سے توبہ کرتے تھے اور اپنی مردی میں قبول کرتے تھے۔ اور خاص و عام، غریب و دلمندر بادشاہ و فقیر، عالم و جاہل، شریف و ذمیل، رشہری و ذمہرانی غازی و مجاہد، آزاد و غلام، سب کو طاقیہ، توبہ اور پاکی کی تقسیم دیتے تھے اور یہ تمام لوگ چونکہ اپنے کوشش کا مرید تھے تھے۔ بہت سے گھاہوں سے باز آتے تھے اور اگر کوئی شخص کے کسی مرید سے لغزش ہو جاتی تھی تو پھر ان سے رفوبیعت کر لیتے۔ اور توبہ کا خرقہ عطا کرتے تھے۔ اور کوئی شخص کی مریدی کی شرم تمام لوگوں کو بہت سی ظاہری و باطنی برائیوں سے روک دیتی تھی اور عام طور پر لوگ تقلید و اعتقاد کی وجہ سے عبادات کی طرف رجعت کرتے تھے۔ مرد و عورت، بوڑھے جوان، بازاری، عامی، غلام

اور فوکر سب کے سب نماز ادا کرتے تھے۔ اور نیادہ تو  
 مرید چاشت و اشراف کے پابند ہو گئے تھے۔ آزاد اور  
 نیک کام کرنے والوں نے شہر سے عیاش پورٹک چند  
 تغیرتی مقامات پر چبوترے قائم کر دیتے تھے۔ چھپڑاں  
 دیتے تھے۔ کنوں کھد وادیتے تھے۔ پانی سے بھرے ہوتے  
 گھرے اور مٹی کے لوٹے رکھوادیتے تھے۔ چانیاں رکھوادی  
 تھیں۔ ہر چبوترہ اور ہر چھپڑیں ایک چوکیدار اور ایک  
 ملازم مقرر کر دیا تھا۔ تاکہ مرید اور توبہ کرنے والے نیک  
 لوگوں کو شہر کے آستانہ تک آنے جانے میں نماز ادا کرنے  
 کے وقت وہنوں کے لئے کوئی تردود نہ ہو، اور چبوترہ  
 اور چھپڑیں قفل پر ڈھنے والے نمازوں کا هجوم دیکھا جاتا  
 تھا۔ ارکاب گناہ لوگوں کے درمیان کم ہو گیا تھا۔ اور  
 اکثر آدمیوں کے درمیان چاشت، اشراف، اوابین، تحریجہ  
 اور زوال کے وقت رکعت نماز کی تحقیقات زیادہ تھیں  
 کہ ان نوافل میں ہر وقت کتنی کعیں ادا کرتے ہیں اور ہر  
 رکعت میں کلام پاک کی کون سی سورۃ اور کون سی آیت  
 پڑھتے ہیں۔ — پنج گانہ نمازوں اور ہر نفل  
 سے فارغ ہونے کے بعد کون کون سی دعائیں آئی ہیں  
 اکثر نئے مرید شیخ کے قدیم مریدوں سے عیاش پور کی

آمد و رفت کے وقت پوچھتے تھے کہ شیخ رات کی نماز  
میں کتنی رکعتیں پڑھتے ہیں۔ اور ہر رکعت میں کیا پڑھتے  
ہیں اور عشار کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
پڑھتی پار درود بھیجتے ہیں۔ اور شیع فرید اور شیع بن خیلہ  
رات دن میں کتنی پار درود بھیجتے تھے اور کتنی پار سورہ  
احلاص پڑھتے تھے۔ نے مرید شیع کے قدیم مریدوں  
سے اسی قسم کے سوالات کرتے تھے۔ روزے، نوافل  
اور تقلیل طعام کے متعلق پوچھتے تھے

اس نیک زمانہ میں اکثر آدمیوں کو حنفی قرآن کا ذوق پیدا ہو گیا۔  
تھا۔ نے مرید شیع کے پڑانے مریدوں کی محبت میں  
رہتے تھے، پڑانے مریدوں کو طاعت، عبادت، تبرک  
تعلق، تصور کی کتابوں کے پڑھنے، مشائخ کے اوصاف  
حمدیدہ اور ان کے معاملات کے بیان کرنے کے سوا کوئی  
دوسرے کام نہ تھا۔ دنیا اور دنیاداروں کا ذکر ان کی زبان  
پر نہیں آتا تھا۔ کسی دنیادار کے گھر کی طرف اپنا رخ نہیں  
کرتے تھے۔ دنیا اور اہل دنیا کے میل جوں کی حکایت  
نہیں سنتے تھے۔ اور اس کو عیوب اور فناہ جانتے تھے  
کثرت نوافل اور اس کی پابندی کا معاملہ اس با برکت  
زمانہ میں اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ بادشاہ کے محل میں

بہت سے احصار، مسلاحدار، لشکری، رشاہی نوکر شیخ کے  
مرید ہوتے تھے۔ اور چاشت و اشراق کی نازیں ادا کرتے  
تھے۔ ایام بیض اور عشراہ ذمی الجہ کے روزہ رکھتے تھے اور  
کوئی محلہ ایسا نہیں تھا جس میں ایک ہمیٹی میں دن کے  
بعد صلحہ کا اجتماع نہیں ہوتا تھا۔ اور صوفیوں کی محفلِ ملائ  
نہیں ہوتی تھی اور باہم گردیہ وزاری نہیں کرتے تھے  
شیخ کے چند مرید تراویح کی نماز میں مسجد و میں اور گھروں  
میں ختم قرآن کرتے، وہ لوگ جو متقدم الحال ہو جکے تھے  
رمضان، جمعہ اور تہواروں کی لاقوں میں قیام کرتے اور  
بس تک بیدار رہتے، پلک کو پلک سے نہیں لکنے دیتے  
شیخ کے مریدوں میں سے بڑے درجہ کے مرید تمام  
سال رات کے ایک یادو تھاںی حستے تہجد کی نماز میں  
گذارتے۔ بعض عبادت لگنا و عشار کی نماز کے وضو سے  
پھر کی نماز ادا کرتے۔ شیخ کے مریدوں میں سے چند  
آدمیوں کو میں جانتا ہوں کہ شیخ کے فیضی نظر سے صاحب  
کشف و کرامات ہو گئے تھے۔ شیخ کے مبارک وجود ان  
کے انفاس کی برکت، ان کی مقبول و معاول کی وجہ سے  
اس ملک کے اکثر مسلمان عبادت، تقویت اور زہد کی طرف  
اُل اور شیخ نبی ارادت کی طرف راغب ہو گئے تھے

سلطان علاء الدین اپنے تمام گھر والوں کے ساتھ شیخ نما  
 معتقد اور مخلاص ہو گیا تھا۔ خواص و عوام کے دلوں نے شیکی  
 اختیار کر لی تھی۔ عہد علائی کے آخری چند سالوں میں  
 شراب، معشوق، فتن و نجور، جوا، مخاشی وغیرہ کا نام اکثر  
 آدمیوں کی زبان پر نہیں آئے پایا۔ بڑے بڑے گناہ لوگوں  
 کے نزدیک کھفر کے مشابہ معلوم ہوتے لگے تھے۔ مسلمان  
 ایک دوسرے کی شرم سے سود خواری اور ذخیرہ اندر فری  
 کے کھلم کھلا مرتب کب نہیں ہو سکتے تھے۔ بازار والوں سے  
 جھوٹ بولنے کم تو نہ اور آمیزش کرنے کا رواج اٹھ گیا  
 تھا۔ اکثر طالب علموں اور بڑے بڑے لوگوں کی رعیت  
 جو شیخ کی خدمت میں رہتے تھے، تصوف اور احکام  
 طریقت کی کتابوں کے مطالعہ کی طرف ہو گئی تھی۔ قوت  
 القلوب، احیاء، العلوم ترجیہ احیاء العلوم، عوارف، کشف  
 المحبوب، شرح تعرف، رسالہ قشیری، هر صاد العباد، مکتوبات  
 عین الفقہاء، لواح و لواح قاضی حمید الدین بن اگوہی، فوائد  
 الغواد، میر حسن سنجی کے بہت سے خریدار پیہا ہو گئے  
 تھے۔ زیادہ تر لوگ کتب فردیشوں سے ملوك و حقائق  
 کی کتابوں کے بارے میں دریافت کرتے تھے۔ کوئی  
 پچھر میں ایسی نہ تھی جس میں مسوک اور کنگھی لکھی نظر نہ

اُتی تھی صوفیوں کی کثرتِ خرمیداری کی وجہ سے لوٹے اور حرمی طشت گران ہو گئے تھے۔ حاصل کلام یہ کہ خداوند تعالیٰ نے شیخ نظام الدینؒ کو بھلی صدیوں میں شیع جنیدؒ اور شیخ بازیزیؒ کے مثل پیدا کیا تھا۔

### خشون کا "در بازار"

تو یہ تجدیدِ ایمان اور اصلاح حال کے اس عام ذوق و رجحان کے علاوہ جس سے دہلی کا کوچ کوچ متاثر ہو رہا تھا اور الیوان شاہی اور "بامِ ہزارستون" سک اس کی لمبیں بہپتی تھیں۔ ایک نئی تبدیلی یہ تھی کہ دماغیِ خوت اور قلبی افسردگی کی اس دُنیا میں جہاں تائے دلوش اور "بعیش کوش" کے سوا عرصہ سے کوئی صدابند شہیں ہوتی تھی۔ جذبہِ الہی کی ایک ہوا چلنے لگی اور عشق کا سودا ہام ہو گیا۔ ہر جگہ درد و محبت کا نذر کرہ، حقیقت و معرفت کی باتیں اور عارفان و عاشقانہ اشعار کی گورنچ تھی۔ امیر خور و مصنف سیر الادیا، نے خوب لکھا ہے کہ

کار	محبت و عشق را روز
بازار سے در جہاں پیدا	میں ایک بازار لگ گیا۔ لوگوں کو
سماں کی حکایات کے شنے انہوں	آمد سے .. .. .. .. ..

وَحَقِّ رَادِر آسِ زَمَانِ رَاحَتْ  
وَنِيَازِ مَنْدَسِي، شَفَقَتْ وَزَمَنِي  
جَزْ حَكَائِيتْ سَمَاعِ وَأَخْلَاصِ وَنِيَذْ دَلْجُونِي أَوْ رَاهِلِ دَلْ كَيْ قَدْمُونِ  
مَنْدَسِي وَشَفَقَتْ وَلِيَنْتْ دَولْ پَسْرَكَهْ دِينَيْ كَيْ عَلَاوَهْ كَسَيْ  
دَرِيَاقَنْ وَسَرْوَرِيْرِيْپَاتَيْ إِلَيْ دَلَانْ اُورَبَاتْ سَيْ رَاحَتْ نَهِيْسِ حَارِلْ  
نَهَادَنْ كَارَسْ دَيْگَرِنْ بُودَهْ هَوْقِيْ تَقَنِيْ -

### خَلْفَاءِ رَسُولِيْ تَرَبِيَتْ

اسِ مُسلَّهِ اِرشَادِ وَتَرَبِيَتْ اَوْ طَرِيقَهْ  
عَشْقِ وَمَجَبَتْ كَوْهَنْدِ وَسَانِ مِيْنِ دُورِ  
دُورِ تَكْ پَهْيَلَانِيْ اَوْ دَمَتَكْ قَاتِمِ رَكْهَنَيْ كَيْ لَتَهْ آپَيْ اَپَنِيْ  
عَالِيِ استَعْدَادِ، سَرِيَا خَلَاصِ، خَلْفَاءِ رَسُولِيْرِيْ اِهْتَامِ فَرِمَادِيَا. انِ مِيْنِ وَهَبِ  
اوْصَافِ وَكَمَالَاتِ پَيْدَا كَرَنِيْ كَيْ كُوشَشِ فَرِمَانِيْ جَوْمَشَارِيْ كَامِلِيْنِ  
كَيْ لَتَهْ ضَرُورِيْ هِيْ. انِ سَيْ بَجاَهَاتِ كَرَاتِيْ. انِ كَيْ قَلُوبِ كَيْ  
نَجْمَانِيْ كَيْ. انِ مِيْنِ جَوَا عَالِيِ استَعْدَادِ رَكْهَنَيْ تَكَهْ لَيْكَنِ زَرِيْوَعِلْمِ سَيْ  
عَادَسِيْ تَكَهْ. انِ كَيْ تَعْلِيمِ وَتَكْمِيلِ كَاهِنَدِ وَسَبَتِ كَيْيَا. انِ مِيْنِ سَيْ جَنِ كَيْ  
دَلُونِ سَيْ اَبْجَيِ تَكْ بَحْثِ وَمَنَاظِرِ سَيْ كَانِشِ نَهِيْسِ اَجْيَا تَهَا. انِ كَيْ اِصْلَاحِ  
فَرِمَانِيْ. جَوْحَقِ خَدَادِيْ رِهْنَانِيْ اَوْ رِاجْمَانِيْ زَنَدَگِيْ كَيْ اَهِلِ تَكَهْ لَيْكَنِ  
اَنْخَيِيْسِ گُوشَهِ شَيْئِيْ، عَزْلَتِ گَزَنْيَيِيْ اَوْ رِنْفَرَادِيْ عَبَاطَاتِ وَمَجاَهَاتِ كَا  
ذَوقِ تَهَا. انِ كَوْاجَتَمَاعِيْ زَنَدَگِيْ اَخْتِيَارِ كَرَنِيْ اَوْ "حَقِّ خَدَادِيْ جَغَاوِقَقَا"

سلِيْرِ الادِلِيَا - صَنَاعِ

کو برداشت کرنے پر مجبور کیا۔ اصلاح و تربیت کا جو عالمگیر کام آپ کے پیش نظر تھا۔ اور اپنے خواص اصحاب سے دین کی دعوت کا جو کام لینا تھا۔ اس میں جو حیز خارج اور مراحم نظر آئی۔ آپ نے اس کو زک کر دیا۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ ایک دن بلند حیثیت کے دوستوں اور خدام نے جن کا وطنی تعلق اور وہ سے تھا آپس میں طے کیا کہ سلطان المشارع سے پڑھنے پڑھانے اور بحث و مذاکرہ کرنے کی اجازت طلب کریں۔ اگرچہ ان دوستوں میں سے ہر ایک عالم مجسم تھا ایک سن سلطان المشارع کے فیضِ صحبت سے یادِ حق میں مشغول تھا۔ مگر حسن کام میں عمر گنڈاری تھی اس کا شوق بالآخر اس کا محکم ہوا۔ مولانا جلال الدین کو لوگوں نے آگے کیا اور خدمت میں حاضر ہوتے حضرت سلطان المشارع پر یادِ الہی کی ایسی کچھ تجلی تھی کہ لوگوں کو بات کرنے کی بہت نہیں ہوتی تھی۔ مولانا جلال الدین کو کچھ جرأت تھی۔ انہوں نے عمرِ کیا کہ حضرت اگر اجازت ہو تو احباب کسی وقت بحث کر لیا کریں؟ سلطان المشارع سمجھ گئے کہ یہ ان سب علماء کا عندریہ ہے اور مولانا جلال الدین ان کے نمائندہ ہیں۔ فرمایا کہ میں کیا کروں مجھے ان سے تو دوسرا ہی کام لینا مقصود ہے۔

مولانا سید نصیر الدین محمود جو بعد میں حضرت خواجہ بھکر کے خلیفہ اعظم اور اصل جانشین ہوتے اور چراغِ اونہی کے نام سے ان کا نام تمام دنیا میں روشن ہے۔ اس بات کے بڑے خواہش مند تھے کہ وہ کہیں کسی جنگل یا پہاڑ پر بیٹھ کر خدا کی یاد کریں۔ انہوں نے ایک دن امیر خسر و کوہ اس طبق بنایا اور کہلوایا کہ یہ ناچیز اور دھرمی رہتا ہے۔ خلق کے ہجوم سے اپنی مشغولیت میں فرق پڑتا ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں کسی محرا یا پہاڑ پر رہ کر فراغ خاطر کے ساتھ خدا کی عبادت کروں۔ امیر خسر و نے جب یہ بیان عرض کیا تو ارشاد ہوا۔

اور ابھو ترا درمیان خلق می باید بود وجفا و تقاضے خلق می باید کشید و مكافات آس بندل دایش اس کا بدله سماوات والیا باید کر دیے	ان سے کہہ دو کہ تم کو مخلوق ہی کے درمیان رہنا ہو گا اور مخلوق کی بے مردگی اور بے رخی کو برداشت کرنا ہو گا اور اس کا بدله سماوات والیا سے دینا ہو گا۔
--	---

مولانا حسام الدین ملتانی نے خلافت کے بعد عمر میں کیا کہ اگر اجازت ہو تو شہر چھوڑ دوں اور کسی چشمہ کے کنارے میں حکومت اختیار کروں۔ اس لئے کہ شہر میں کنوں کا پانی ملتا ہے اور اس

سے وضو کرنے میں دل کو اطمینان نہیں ہوتا۔ ارشاد ہوا کہ نہیں  
شہر ہی میں رہو۔ اور یا ایک عام آدمی کی طرح رہو سبھو۔ نفس چاہتا  
ہے کہ تم کو ایک آمام کی جگہ لے جاتے اور ایسیں جگہ رکھئے کہ تمہیں  
جمیعت خاطر نصیب نہ ہو۔ جب تم شہر سے باہر چلے جاؤ گے اور کسی  
چشمہ کے کنارے سکونت اختیار کرو گے تو پر دلیسی اور شہری تمہارا  
سراعِ لگاگ کر پہنچیں گے اور مشہور ہو گا کہ فلاں دردیش فلاں جگہ مقیم  
ہے اور کچھر تمہارا وقت خراب کرے گا۔ اس کے علاوہ کنوئیں کے  
پانی میں علماء کا اختلاف ہے اور شریعت نے اس میں وسعت  
دی ہے۔

### بیشتر خانہ نصیب

اللہ تعالیٰ نے حضرت حجاجؓ کو بڑے  
جلیل القدر خلق اعظم طافرماست تھے جن

میں سے حسب ذیل خاص طور پر مشہور و ممتاز ہوتے۔

(۱) مولانا مشش الدین بیگی (۲) شیخ نصیر الدین محمود

(۳) شیخ قطب الدین منور انسوی (۴) شیخ حسام الدین لماقانی

(۵) مولانا فخر الدین زرداری (۶) مولانا علام الدین شبلی

(۷) مولانا بابا ان الدین غنیم (۸) مولانا ابو سعف چندی پوری

لے پانی کھرنے والوں کی بے احتیاطی کی وجہ سے اور کسی چیز  
کے گرنے پڑنے کے خیال سے۔

(۹) مولانا سراج الدین انجی سراج (۱۰) مولانا شہاب الدین

## مر بیتین با اختصاص

- |                                |                                |
|--------------------------------|--------------------------------|
| (۱) خواجہ ابو بکر              | (۲) مولانا نجم الدین کاشانی    |
| (۳) مولانا وجیہ الدین پاتلی    | (۴) مولانا فضیح الدین مرزوqi   |
| (۵) مولانا خسرو                | (۶) امیر حسن                   |
| (۷) مولانا جلال الدین          | (۸) خواجہ کریم الدین ستر قندی  |
| (۹) امیر حسن علاء سنبھری       | (۱۰) قاضی شرف الدین            |
| (۱۱) مولانا بہا الدین ادھمی    | (۱۲) شیخ مبارک گوپاموی         |
| (۱۳) خواجہ مودود الدین کروی    | (۱۴) خواجہ تاج الدین دادری     |
| (۱۵) خواجہ ضیاء الدین برلنی    | (۱۶) خواجہ مودود الدین الفارسی |
| (۱۷) خواجہ شمس الدین خواہ زادہ | (۱۸) مولانا نظام الدین شیرازی  |
| (۱۹) خواجہ سالار               | (۲۰) مولانا فخر الدین میر سعی  |

ان میں حضرت شیخ نصیر الدین چماع ذہبی کو آپ نے خلافت  
خاص عطا فرمائی اور اپنا جانشیں بنایا۔ وہ اپنے شیخ کے قدم بقدم  
تھے۔ انہوں نے نہایت مساعدة حالات اور رسمت سیاسی طوفانوں  
میں رشد و ہدایت کیا چماع روشن رکھا۔ بقول شاعر  
ہوا ہے گوت نہ تیز لیکن چماع اپنا جلال ہے  
وہ مرد رویش جس کو حق نے دیتے ہیں انہوں خسرو وہ

فیروز تغلق کی تخت نشینی اور اس سے ہندوستان کو جو نیو من  
دبرکات پہنچے اس میں حضرت سید النصیر الدین ہری کا باعث تھا۔ پورے  
بیست سال بک انہوں نے سلسلہ چشتیہ کا حکمرانی نظام دار الحکومت  
درہلی میں بیٹھ کر کامیابی کے ساتھ چلا یا۔ پھر اس چمڑائے دوسرا  
چمڑائے روشن ہوا جس نے جنوبی ہند ہری نہیں سارے ہندوستان  
کو عشق و محبت کی حرارت سے گرم اور اس کی خوشبو سے معطر کر دیا  
یعنی حضرت سید محمد گیسو دراز مفون گلبرگہ (۳ م ۸۲۵ھ) جن کے متعلق  
کسی صاحبِ نظر نہ کہا ہے۔ ۷

ہر کو مرید سید گیسو دراز شد  
والله خلاف نیست کہ اعشق باز شد

حضرت سید النصیر الدین چمڑائے درہلی کے دوسرے خلیفہ علامہ  
کمال الدین (۳ م ۸۵۶ھ) تھے جن کی اولاد اور خلفاء نے اس سلسلہ  
کو اس صدی بک آپ و تاب کیا تھے قائم رکھا۔ اس سلسلہ میں حضرت  
یحییٰ مدینی، شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی، مولانا شاہ فخر الدین درہلوی، خواجہ  
لور محمد جہار وی، شاہ نیاز احمد برٹلوی اور خواجہ سلیمان قوتسوی جیسے

لے لاحظ ہوتا ہے فیروز شاہی، از سراج عفیف  
تھے حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز کے حالات و کمالات کے لئے  
مستقل تصنیف کی مزورت ہے۔

اکابر و زیگار گزرے جنہوں نے عشق الہی کا بازار گرم رکھا اور لاکھوں بندگان خدا کے دلوں میں محبت الہی اور خدا طلبی کی آگ بھر دی۔

حضرت چراغ ذہبی کے خلفاء میں شیخ عبد المقدار کتبہ می، شیخ احمد تھانیسری اور شیخ جلال الدین حسین بخاری معروف بمحمد قم جہانیاں جہاں گھشت خاص طور پر مقابل ذکر میں — ان میں ہر ایک شیخ وقت اور فرجع خلافت تھا ذہبی کی مرکزی خانقاہ کے بعد جس کی مسند ارشاد پر یہکے بعد دیگر س دو شیخ اجل حضرت خواجه نظام الدین اور حضرت سید النصیر الدین چراغ ذہبی و مسکن رہے۔ ہندوستان کے مختلف مقامات پر ہندو، لکھنؤی، رہات بدل تکبرگڑ، بہدان پور، زین آباد، مالو، احمدآباد، صنی پور، تانکپور، سلوون میں چشتی خانقاہیں قائم ہوئیں جنہوں نے صد لوں تک چراغ سے چراغ روشن رکھا۔ اور عشق و محبت، صدق و اخلاص، علویت و عزیمت خود مرت خلق ایشار و قرایابی، بذل و عطا، فتوح و ہدایہ، علم و معرفت کی شمع روشن رکھی اور ہندوستان کی فقاؤں کو جس پہنچے در پے مادیت اور غفلت کے جعلے ہوتے رہے اور کسی وقت ایسا محسوس ہوا کہ سارا لکھ تیکے کی طرح غفلت و تیش کے سیلاں میں پہنچتے گا۔ اور تباع در جس کشی میں ہے وہ بھی عزیز ہو جائے گی لیکن ان سوختہ سالوں اور سوختہ دلوں نے اس تباع کی حفاظت

لے لیں ہے جو گوئی کے مفضل حالات کے لئے ملاحظہ ہو جائیں گے مثاً ”چشت“  
از پروفسور خلیق احمد نظامی۔

کی اور یہ آگ کھیں سلسلتی رہی۔ ان میں سے ہر خانقاہ اور اس کے دینی و اصلاحی کارناموں کے لئے ایک مستقل ضمیم کتاب بعد کلمہ ہے۔ خاص طور پر بیگانہ شیخ علام الحق پینڈویؒ حضرت نور قطب عالم پینڈویؒؒ

لہ شیخ علام الدین علام الحق پینڈویؒؒ کا اصل نام عمر ہے۔ آپ کے والد احمد لا جوڑی بیگانہ میں منصب وزارت پر فائز تھے۔ شیخ علام الحق حضرت محبوب الہی کے مشہور خلیفہ سراج الدین عثمان اودی معروف اخی سراج (م ۵۸۰ھ) کے خلیفہ اور پیشوا کی مشہور عالم حاشی خانقاہ کے بانی ہیں۔ تبدیل اشرف جہانگیر سنانی کچھوچھوی (م ۸۰۰ھ) آپ ہی کے خلیفہ ہیں۔ ۸۰۰ھ میں وفات پائی۔

لہ نور الدین احمد نام، نور الحق اور قطب عالم اقب، اپنے والی شیخ علام الحق پینڈویؒؒ کے خلیفہ و حاشیہ تھے۔ الشرعاںی نے بڑی مقبولیت و محیث عطا فرمائی۔ آپ کے زمانہ میں پیشوا کی خانقاہ ہندوستان کی سب سے بڑی حاشی خانقاہ تھی۔ جماہدات، خدمتِ خلق اور پیغامی و خود کشی اور علوم و حقائق میں مرتبہ عالی رکھتے تھے۔ خلافاء میں حضرت حسام الدین حسام الحق ائمپوری (م ۸۵۳ھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جن کی ذات سے بہادر اور اودھ میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی بڑی اشاعت ہوتی۔

۱۰۷  
۱۰۷ میں وفات پائی، تعلیمات میں مؤمن بالفتراء ائمہ الغربہ اور رکائیب کا بخوبی باگارہے بلفظات و مکتوبات میں مخفب کی سادگی اور تایہر ہے۔ لاحظہ نزہۃ الرؤوف

وکن میں شیخ برلان الدین عزیب آن کے خلفا میں شیخ نرین الدین شیخ یعقوب، شیخ کمال الدین ناگوری فتنی پھران کے خلیفہ قطب عالم عبد الشہبن محمود بن الحسین (۷۵۵ھ) اور ان کے فرزند خلیفہ شاہ عالم بھراقی نے بوریاتے فتوی پڑھ کر اپنے اپنے زمانہ میں بادشاہی کی ہے۔

ماوجہ میں شیخ وجیہ الدین یوسف، شیخ کمال الدین، مولانا میث الدین وغیرہ اور دھرمیں حضرت شیخ محمد بن الکھنوی، شیخ سعد الدین قدیوانی خیر آبادی، شیخ عبد الصمد عرف صفائی پوری، شیخ حسام الحق مانکسہ پوری، شیخ عبد الکریم مانک پوری اور شاہ بیر محبر سلوانی اور شاہ بیر محمد لکھنؤی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ سب سلسلہ نقایمیہ کے شیوخ بکار میں جنہوں نے اپنی اپنی جگہ ارشاد و ہدایت اور تعلیم و تربیت کا سلسلہ سرگرمی کے ساتھ چارہ رکھا۔ ان سے فیض پانے والوں کی تعداد کو خدا کے سوا کوئی شمار نہیں کر سکتا۔

ان غالباً جشتی خانقاہوں کے علاوہ ہندوستان میں جا بجا ایسی تامور خانقاہیں بھی قائم تھیں۔ جن کے شائخ کبار اور بانیان سلسلہ کو سلسلہ نقایمیہ کے مشائخ چشت سے نسبت خاص اور اجازت عام حاصل تھی اور وہ جنتی ذوقی اور نسبت کے حامل تھے۔ ان میں سے جونپور کی خانقاہ رشیدی اور کچلواری شریعت کی خانقاہ مجتبی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ خانقاہ رشیدی کے ہانی حضرت علام محمد رشید جوڑنی پوری ۱۰۸۳ھ کو اپنے شیخ طیب بنارسی اور سید احمد الحمیم حسینی پانچ پوری

سے سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں اجازت حاصل تھی۔ خانقاہ مجتبی کے بانی ماج العارفین حضرت شاہ محمد مجتبی اللہ قادری پھلوار وی (۱۹۱۳ھ) کو سلسلہ چشتیہ نظامیہ اپنے پیر بیعت حضرت خواجہ عما الدین قلندر اور حضرت شاہ معین الدین کرجوی کے واسطے سے پہونچا ہے۔ شاہ معین الدین کرجوی حضرت شیخ پیر محمد سلوانی کے خلیفہ تھے۔

آخر میں حضرت حاجی امداد اللہ ہبہ جرمنی کی ذات سلسلہ نظامیہ و مابعدی اور ان کی خصوصیتوں اور برکتوں کی جامع تھی۔ حضرت حاجی صاحب کو سلسلہ نظامیہ سے نسبت حضرت شیخ محمد القدوس گنگوہی کے طریق سے حاصل تھی۔ جن کو حضرت درویش بن محمد قاسم اودھی سے سلسلہ نظامیہ میں اجازت تھی حضرت درویش کو تین طریقوں سے سلسلہ نظامیہ پہونچا تھا۔

لطفاً تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "تذکرة الرشید" ج ۲ (ص ۴۷)

## باب ششم

### حضرت خواجہ کی تعلیم و تربیت کے اثرات

#### آپ کے خلفاء کی دین و اسلامی خدمت

حضرت سلطان المشائخ نے اپنے خلفاء اور مریدین کی بڑے اہتمام اور توجہ سے تربیت فرمائی تھی۔ سلطان علاء الدین خلجمی کے امراء در بار اور ارکان سلطنت میں سے ایک بڑے عہد و دار خواجہ مولید الدین تھے۔ ان کو حضرت خواجہ سے تعلق پیدا ہو گیا۔ اور یہ تعلق اتنا بڑا کہ ان کی طبیعت "سرکار در بار" سے اچھا ہو گئی۔ اور وہ حضرت خواجہ کی خدمت میں رہ پڑے۔ سلطان ان کا بڑا قدر دان تھا اور ان کی ضرورت محسوس کرتا تھا اس نے ایک حاجب کے ذریعہ حضرت خواجہ سے شکایت کی اور کہا کہ حضرت ہر ایک کو اپنا جیسا بنا ناچاہتے ہیں جسزت خواجہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اپنا جیسا کیا۔ اپنے سے بہتر۔ سیرالاولیاء

حضرت خواجہ کی صحبت و تربیت سے صرف عبادت و  
سیا منت کا ذوق اور اپنی اصلاح و ترقی ہی کی فکر نہیں پیدا  
ہوتی تھی بلکہ دعوت و قبیلخا گذیر، امر بالمعروف، نہیں عن المنکر کی تہمت  
اور حوصلہ، سلاطین و قوت کے سامنے کلمہ حق کہنے کی جرأت اور بے  
خوفی و شجاعت بھی پیدا ہوتی تھی۔ اور یہ خدا کے نام اور مردان  
خدا کی صحبت کا لازمی نیچجہ ہے جس دل میں اللہ کا خوف سا جاتے  
گا۔ اس دل سے عزیز اللہ کا خوف قدر تی طور پر نکل جاتے گا اور  
جو دل طبع دنیا سے آزاد ہو جائے گا اس پر کسی کار عقب اور اس کو  
کسی سے ہر اس نہیں ہو سکتا جس پر خالق کی عظمت اور مخلوق  
کی صحیح حیثیت کا بخشناد ہو گیا۔ مسلمان عالم کے کرو فران کے  
در باروں کے تیزک و احتشام اور ان کے غلاموں اور افسروں  
کی صفت بندیلوں اور "فگاہ رو برو" اور "دور باش" کو پھوٹوں کے  
کھیل اور گڑبوں کے گھروندوں سے زیادہ و قوت نہیں دے سکتا  
اور جاہ و جلال کی کسی نمائش کے موقع پر کلمہ حق کہنے سے کبھی باز  
نہیں رہ سکتا۔ یہی توحید و تحریر کا طبعی نتیجہ، حقیقی تصوف کا خاصتہ  
اور مردان خدا اور درویشان کا مل کا شیوه ہے۔ ۷

دعا و سکندر سے وہ مرد تھیں اولیٰ ہو جس کی فقیری میں بوئے اسلامی  
آئیں جو اس مردان حق گونی و بیان کی اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رہا ہی  
حضرت خواجہ کے تربیت یافتہ خدام و مریدین نے اس

”اسداللہی“ اور اس حق گوئی و پیباکی کے ایسے نونے پیش کئے جن کی نظر ملنی آسان نہیں۔

### سلطین وقت سے بے غصی اور حق گوئی کے نونے

سلطان محمد تقیٰ کے شوکت و جبروت سے تاریخ کا ہر طالب علم واقع ہے۔ سلطان کا ایک مرتبہ ہاشمی کے پاس سے گزر ہوا۔ وہ اس سے چار کوس کے فاصلہ پر بنسی مقام میں خیرخواہ شاہی و خرگاہِ لفصب ہوا۔ سلطان نے مخلص الملک نظام الدین مدر باری کو جواپنے کلم و قتاوت میں اس زمان میں مشہور تھا۔ ہاشمی کے حصار کے معائنے کے لئے بھیجا۔ وہ جب حضرت شیخ قطب الدین منور (نبیرو) حضرت شیخ جمال الدین ہاشمی (خلیفہ حضرت سلطان المذاخن) کے مکان کے پاس پہنچا تو دریافت کیا کہ یہ مکان کس کا ہے؟ لوگوں نے کہا شیخ قطب الدین منور کا جو حضرت سلطان المذاخن کے خلیفہ ہیں، کہا کہ عجیب بات ہے کہ بادشاہ اس جوار میں آئے اور شیخ اس کے سلام کو حاضر نہ ہوں؟ مخلص الملک نے واپسی پر سب کیفیت عرض کی۔ اور یہ بھی کہا کہ سلطان المذاخن کے ہاشمی میں ایک خلیفہ ہیں جو جہاں پناہ کے سلام کے لئے حاضر نہیں ہوتے۔ بادشاہ کو یہ سننکر عفت آیا اسی وقت حسن سر برہمنہ کو جو ایک بڑا مغروف و جاہ پند شخص تھا شیخ قطب الدین کو لانے کے لئے بھیجا۔ حسن سر برہمنہ جب

مکان کے قریب سنبھال تو تنہا پادھ پاشع کی دلبری میں آکر عاجز اور طرفی پر بیٹھ گیا۔ شیخ نے بلا یا حسن نے جا کر عرض کیا کہ آپ کی بادشاہ کی بیان طلبی ہے۔ فرمایا کہ اس میں مجھے کچھ اختیار ہے یا نہیں؟ اس نے کہا مجھے فرمان سلطانی ہے کہ میں آپ کو بہر حال لے آؤں۔ شیخ نے فرمایا الحمد للہ کہ میں اپنے اختیار سے نہیں بخارا ہوں۔ پھر گھر والوں کی طرف رُخ کیا اور فرمایا کہ تم کو خدا کے سپرد کیا۔ یہ کہا اور مصلیٰ کاندھے پر ٹالا لاکھی ہاتھ میں لی اور پیدھ پار وانہ ہو گئے۔ حسن نے سواری کے لئے عرض کیا۔ فرمایا نہیں، مجھ میں قوت ہے۔ میں پیدل چل سکتا ہوں جب میں سفیر تو سلطان کو خبر ہوئی۔ سلطان نے حکم دیا کہ دلہی چلیں دلہی پہنچ کر دربار شاہی میں طلب کیا۔ شیخ نے فیروز خاہ سے جو اس زمان میں نائب بار بک تھے کہا کہ ہم نقیر لوگ ہیں بلڈا ہبک کی بیلس کے آداب سے واقف نہیں۔ جیسا آپ کا مشورہ ہو دیسا کیا جاتے۔ فیر ورنے جو نقیر دوست اور سیح الاعقاب شخص تھا کہا کہ لوگوں نے آپ کے متعلق بادشاہ کے کام بہت بھرے ہیں۔ اگر آپ کچھ تعظیم اور تواضع سے کام لیں تو بہتر ہے۔ الوان شاہی کی دلبری میں قدم رکھا تو امرا و ملوک اور نقیب و چاؤش دور دی کھڑے تھے۔ صاحبزادہ نور الدین جو ہاشمی سہر کلب آئے تھے۔ کم عمر تھے اور انہوں نے کبھی بادشاہ ہوں کی بارگاہ دیکھی نہیں تھی۔ ان پر ایک ہمیلت سی طاری ہوئی۔ شیخ قطب الدین منور نے ان سے پکار کر کہا کہ "بَا نُورِ الدِّينِ الْعَظِيمَ وَالْكَبْرِيَاءِ يَلِهُ"

ما جزا وہ کا بیان ہے کہ یہ سنتہ ہی میرے اندر ایک قوت پیدا ہوئی۔  
 سارا عرب جاتا رہا۔ اور حوا مراء و ملوک وہاں کھڑے تھے وہ مجھے  
 بالکل بچرہ لوں کی طرح معلوم ہونے لگے۔ جب سلطان کو یہ اندانہ  
 ہوا کہ شیخ آرے ہے میں تو وہ کھڑا ہو گیا اور کمان ہاتھ میں لے کر  
 تیر اندازی میں مشغول ہو گیا۔ شیخ قریب آئے تو اس نے خلاف  
 معمول تعلیم کی اور مصانع کیا۔ شیخ نے بہت معنوٹی سے بادشاہ کا  
 ہاتھ بکھٹا۔ بادشاہ نے کہا کہ میں آپ کے جوار میں بینچا، آپ نے  
 میری کوئی تربیت نہ فرمائی، اور اپنی ملاقات سے عزت نہ بخشی؟  
 شیخ نے فرمایا کہ یہ دد و لیش اپنے کو اس کا اہل نہیں سمجھتا کہ بادشاہ سے  
 ملاقات کرے۔ ایک کوئی میں پڑا ہوا بادشاہ اور اہل اسلام کی  
 دعا گوئی میں مصروف ہے۔ اس کو مغذہ و رسمجھا جاتے۔ بادشاہ بہت  
 متاثر ہوا۔ اور اپنے بھائی فیروز شاہ سے کہا کہ شیخ کی جیسی صرفی  
 ہو دویسا کرو۔ شیخ منور نے فرمایا کہ مجھ فقیر کا مقصود مطلوب  
 سمجھی ہے کہ اپنے دادا اور باپ کے گوشہ عافیت میں واپس جاتے  
 فیروز شاہ نے اس کی تعمیل کی۔ شیخ کی واپسی کے بعد بادشاہ نے  
 ایک امیر سے کہا کہ مجھے جن بزرگوں سے مصانع کرنے کا اتفاق ہوا  
 ہے۔ جس نے مجھ ہاتھ ملا یا ہے اس کے ہاتھ میں کیکپی تھی۔ لیکن  
 شیخ منور نے اتنی معنوٹی سے مصانع کیا کہ ان پر فرمایا اثر نہیں  
 معلوم ہوتا تھا۔

بادشاہ نے فیروز شاہ اور مولانا انصیار الدین برلنی کو ایکس الکھر  
تسلیک کے ساتھ شیخ منور کی خدمت میں بھیجا۔ شیخ نے فرمایا بخوبی اللہ  
کہ یہ درویش ایک لاکھ تک قبول کر سکھوں خواپس آکر سلطان سے عرض  
کیا۔ سلطان نے کہا کہ اگر ایک لاکھ نہیں قبول کرتے تو بچا سہزاد  
پیش کرو۔ شیخ نے اس کو بھی قبول نہ کیا۔ سلطان نے فرمایا اگر شیخ نیز  
بھی قبول نہ کریں گے تو خلقت مجھے کیا کہنے گی۔ یہاں تک کہ بات  
دو ہزار تک پہنچی۔ فیروز شاہ اور مولانا انصیار الدین نے عرض کیا کہ  
اس سے کم کا ہم بادشاہ کے سامنے نہ کرہ نہیں کر سکتے۔ شیخ نے  
فرمایا کہ سمجھاں اللہ! درویش کو تودو سیر چاول دال اور ایک وائک  
کا گھنی کافی ہے۔ وہ ان ہزاروں روپیوں کو کیا کرے گا۔ جو کی کوششوں  
اوہ حیلوں سے یہ کہکھ کر بادشاہ درپے آزار ہو جائے گا۔ آپ نے وہ  
دو ہزار تسلیک قبول کئے۔ اور وہ بھی اپنے برادر ان طریقہ اور ایں  
 حاجت میں تقسیم کر کے ہنسی واپس آگئے۔

جس زمانے میں سلطان محمد تغلق نے دہلی کی آبادی کو دی لوگ مرستقل  
ہو جانے کا حکم دیا۔ اس زمانے میں اس نے عزم کیا کہ ترکستان اور

لہٰ تسلیک ایسا شگا، اس عہد میں ہندوستان کا روپیہ تھا۔ اس میں ایک  
تلر چاندی ہوتی تھی۔ یہ ترکی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی سفید  
کے ہیں۔ یعنی نقیری سکر۔

خراسان کو بھی اپنے تبصہ میں لاتے اور جنگیز خاں کی اولاد کا قلعہ قلع کرے۔ اسی زمانہ میں حکم ہوا کہ دہلی اور اطرافِ دہلی کے تمام صدور و آکاپِ حاضر ہوں، ابڑے بڑے خیسے نصب کریں۔ ان خیسوں میں منبر رکھئے جائیں اور ان منبروں پر پختہ ہو کر حضرات علماء تقدیر میں کریں اور جہاد کی ترغیب دیں۔ اس روز حضرت خواجہ نظام الدین<sup>ر</sup> کے خلق امام خاص مولانا فخر الدین زادی، مولانا شمس الدین بھی اور شیخ نصیر الدین محمود کی بھی طلبی ہوتی۔ شیخ قطب الدین دبیر<sup>ر</sup> جو حضرت سلطان المارش ع کے ایک راسخ الاعتقاد مرید اور مولانا فخر الدین زادی کے شاگرد تھے۔ مولانا فخر الدین کو سب سے پہلے بارگاہ سلطانی میں لاتے۔ مولانا کو سلطان کی ملاقات سے بہت احتساب تھا کہنی بار فرمایا کہ میں اپنے سر کو اس شخص کے دربار میں کھٹا ہوا اور بھٹا ہوا دیکھتا ہوں، یعنی میں کلمہ حق کہنے سے باز نہیں رہوں گا۔ اور یہ شخص مجھے معاف نہیں کرے گا۔ جب مولانا سراپا بدہ سلطانی میں داخل ہوتے تو شیخ قطب الدین دیر نے مولانا کی جو تیاں اٹھالیں اور خدمت گاروں کی طرح بغل میں لیکر کھڑے ہو گئے۔ سلطان نے ان سے کچھ نہیں کہا اور مولانا فخر الدین سے بات چیت میں مشغول ہو گیا۔ سلطان نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ میں

لے دبیر کا عہدہ سکر پڑی کا سمجھنا چاہتے۔ ۱۷

چنگیز خاں کی اولاد کا قلعہ قلعہ کروں۔ آپ اس کام میں ہمارا ساتھ دیں گے؟ مولانا نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ سلطان نے کہا یہ شک کا لکھر ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ مستقبل کے متعلق ایسا ہیں کہما جاتا ہے سلطان نے یہ سن کر بیچ و تاب کھایا اور کہا کہ ہم کو فصیحت کیجیے؟ مولانا نے فرمایا کہ غصہ دباؤ۔ سلطان نے کہا کون ساغھتہ مولانا نے فرمایا غضب سبیع (دربندیں والا غصہ) اس پر سلطان کو ایسا غصہ آیا کہ چہرہ پر نظار ہر ہو گیا۔ مگر کچھ کہا نہیں۔ کہا کہ کھانا لاؤ۔ خاصہ شاہی ہی لگا۔ سلطان اور مولانا دوں ایک ہی پیٹ میں کھا رہے تھے۔ مولانا ایسی ناگواری کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ سلطان کے ساتھ تم پیالہ ہونا پسند نہیں کرتے۔ سلطان اور زیادہ افظیہار تعلق کے لئے ہڈی سے گوشت نکال لکھاں کر مولانا کے سامنے رکھتا تھا۔ مولانا بڑی ناگواری کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کھاتے تھے، پھر دستخوان بڑھایا گیا اور سلطان نے مولانا کو رخصت کیا۔ رخصت کے وقت ایک اونچی پوشاک اور ایک روپیہ کی تھیلی پیش کی۔ لیکن اس سے پہلے کہ خلعت اور کیسہ مولانا کے ہاتھیں آتے، شیخ قطب الدین دبیر نے ہاتھ پر حکا کر ان کو لے لیا۔ ان کے رخصت ہونے کے بعد سلطان نے شیخ قطب الدین دبیر سے کہا کہ اے فرشتی آدمی تو نے یہ کیا حرکت کی۔ پہلے فرز الدین کی جوتیاں اپنے بغل میں لیں بچھا رہا۔

کی خلعت اور کیسے بیٹھاں لیا۔ اور اس کو میری تلوار سے پچالیا اور  
بلہ اپنے سر لے لی۔ شیخ قطب الدین دہیر نے کہا کہ مولانا فخر الدین  
میر سے استاد اور میر سے مرشد کے خلیفہ ہیں۔ میر سے نئے مناسب  
تو یہ بھاکہ میں ان کی جو تیار تعریفیں اس پر رکھتا بغل میں یہاں تو کوئی  
بڑی بات نہیں ہا اور یہ خلعت اور کیسے کیا بڑی چیز ہے؟ سلطان نے  
کہا کہ ان کفر آمیز عقیدہ دوں کو چھوڑ دو، ورنہ میں قتل کر دوں گا۔ اخیر  
وقت جب مولانا فخر الدین ززادی<sup>ؒ</sup> کا ذکر سلطان کی غلبہ میں آتا تو  
سلطان با تھا مل کر رکھتا کہ افسوس فخر الدین میری خوب آشام تلوار  
پہنچ گئے۔

### اسلامی سلطنت کی رہنمائی و نگرانی اگرچہ سلاطین وقت مشارک چشت نے

سے بے تعلق اور ”سرکار دربار“ سے دور رہنے کا فیصلہ کیا تھا اور  
اس کو اپنے اور اپنے پورے سلسلہ کے لئے دائمی اصول بنایا تھا۔  
لیکن وہ سلاطین وقت کی رہنمائی و نگرانی سے غافل نہیں تھے اور  
جب کبھی ان کو صحیح مشورہ یا کسی بہتر انتخاب یا اپناروحانی اثر استھان  
کرنے کا موقع ہتا تو وہ اس زریں موقع کو کبھی با تھے نہ جانے  
دیتے۔ ہندوستان کی مرکزی سلطنت کے متعدد فرمانرواؤں و صوبوں

کی خود مختار سلطنتوں کے متعدد حکمران ان منشار نجاشت سے مفید تر و محبت کا تعلق رکھتے تھے اور اس تعلق سے بہت سے مقاصد کا ازالہ، بہت سے ممکرات کا سد بات اور بہت سے احکام شریعت اور عدل گسترشی اور خلق پروردگاری کا رواج ہوا۔

ہندوستان کے سلاطین میں سلطان فیروز تغلق کو اپنی حسن سیرت، نیک شخصی، رعیت پروردگاری، رحم دلی، امن پسندی اور فاہ عامۃ ازالہ، مظالم اور تسلیعِ اسلام کے ذوق، مدارس کے قیام وغیرہ میں جو امتیاز و خصوصیت حاصل تھی۔ اس میں ہر کل ہی سے ہندوستان کا کوئی دوسرا فرمانروا اس کا سہیم و شریک ہو گا۔ سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی سے اس بادشاہ کے تغیری کارناموں اور اس کے زمانہ کی خیر و برکت، امن دامان اور سرسبزی کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔

تماریخ فرشتہ کا مصنف لکھتا ہے۔

او بادشاہے بود فاضل، منصف و عادل دکریم و حسیم و حسیم و رعیت و سپاہی ازو راضی بودند و یعنی کس در عہد او یارائے نسلم نہ	وہ ایک فاضل، منصف مزاج، شریعت و فہریان، رحم دل و بردار بادشاہ تھا۔ رعیت اور فوج سب اس سے راضی تھی۔ کسی کو اس کے عہد حکومت میں ظلم کرنے
--	---

داشت۔

مصنف نے اس کے آئین حکومت کی تین بڑی خصوصیتیں لکھی ہیں۔ اس نے کسی مسلمان یا ذمی کی سیاست و تعزیر پر نہیں کی، انعامات عظیموں اور تالیف قلب کی وجہ سے لوگوں کو سیاست کی ضرورت نہیں رہی۔

۲۔ خراج و محاصل کو رعایا کی استطاعت کے مطابق وصول کیا۔ اضافہ اور تو فیز کو جو سلاطین ماضی کا دستور تھا، موقوف کیا۔ رعایا کے بارے میں کسی مفسد کی شکایت کی ساعت نہیں کی، اس کی بد ولت ملک آباد اور رعایا امرف الحال رہی۔

۳۔ حکومت کے عہدوں اور علاقوں کی صورہ داری پر دیدار و خدا ترس لوگوں کو امور کیا۔ کسی فنادک تکیز و بدنس کو عہدہ نہیں دیا۔ النَّاسُ عَلَى دِينِ مُلُوكِهِمْ کے اصول کے مطابق، حکام و امراء اور کارپردازان حکومت نے بھی اس کی پیر وی کی۔ لیکن بہت سے لوگوں کو یہ معلوم ہو گا کہ فیروز شاہ کی تخت نشینی اور اس کے انتخاب میں خواجہ نصیر الدین چراغ فہری

تہ تاریخ فرشتہ (جلد اول) ص ۲

تہ تعزیر و تعذیب کے وہ نئے نئے طریقے جو سلاطین سابق نے ایجاد کئے تھے۔

تہ تاریخ فرشتہ (جلد اول)، ص ۲۵

کا خاص ہائیل اور اس کی فیروز مندری اور کامیابیوں میں ان کی دعاؤں  
اور توجہات کا بہت بڑا حصہ تھا۔  
سرچ عقیفہ لکھتے ہیں۔

چوں سلطان محمد دیال طعن در  
ٹھکھ رفت خدمت شیخ نصیر الدین  
رای بر ابر خود برد اچوں سلطان  
محمد و ٹھکھ نقل کرد سلطان فیروز  
شاہ در باد شاہی نشست  
خدمت شیخ نصیر الدین بر سلطان  
فیروز شاہ پیغام کرد کہ بایں  
خلق عدل والغافل خواہی  
کرد و یا برائے ایں مشتبہ میکنیا  
والی دیگراز الشربارک ول تعالیٰ  
التماس کرده آیدہ سلطان  
فیروز جواب فرستاد کہ باندگی  
خدائے تعالیٰ حلم و زم در  
آفاق کنم، چوں خدمت

شیخ ایں لفظ شنید برسلاطان  
 خداستے تعالیٰ حلم درزم و  
 اتفاق کنم" جب حضرت  
 فیروز جواب فرستاد اگر  
 با خلق ایں چنین خلق  
 شیخ نے یہ جواب سن تو گہلوا  
 بھیجا کہ اگر مخلوق کے ساتھ  
 خواہی کرد، ماہم برائے  
 تو از اللہ تبارک و تعالیٰ  
 چہل سال ملک خواستہ  
 نے اللہ تعالیٰ سے تھا بارے لئے  
 ایم، عاقبت ہم چنان  
 چالیس سال ملک لیئے ہیں اور  
 واقع بھی سیسی ہے کہ سلطان  
 فیروز نے چالیس سال تک  
 حکومت کی۔

سلطان محمد شاہ ہنپی (۵۹، ۶۴، ۸۰ھ) کو تمام مشائیخ دکن نے  
 بادشاہ تسلیم کر لیا تھا اور اس کے باقی پر حاضران اور غائبانہ بیعت  
 کر لی یہی کن حضرت شیخ بہان الدین عزیز بکے خلیفہ و جاثیں حضرت  
 شیخ زین الدین (م ۸۰۱ھ) نے اس بناء پر انکار کر دیا کہ بادشاہ  
 شراب نوشی اور منہیاتِ شرعی کا مرتكب ہے اور فرمایا۔  
 سزاوار بادشاہی خلق کے خلیق خدا پر حکومت کرنے کا  
 ہست کر در حفظ شعار اہل وہ شخص ہے جو شاعت اسلام

للت محمد سی کو شیدہ  
کی حفاظت میں کوشش  
کرے اور خلوت و جلوت کسی  
سترا و علانیت پیامون  
منا ہی نہ گرد د۔  
حالات میں بھی ممنوعات  
شرعی کے قریب نہ جائے۔

۴۴۰ھ میں جب سلطان دولت آباد میں فاتحانہ داخل  
ہوا تو حضرت شیخ نو کو پیغام بھیجا کریا تو آپ میرے دربار میں  
حاضر ہوں یا میری خلافت کی تحریک لپٹنے دست خاص کی میرے  
پاس بھجویں۔ شیخ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ایک مرتبہ کسی تقریب  
سے ایک عالم، ایک سید اور ایک اہم اکافروں کے ہاتھ پڑتے گئے  
انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ تینوں بُت خانہ میں جائیں، جو بُت کا  
مسجدہ کرے گا اس کی جان بخشی ہوگی۔ اور جو انکار کرے گا وہ قتل  
کر دیا جائے گا۔ پہلے عالم کو لے گئے۔ انھوں نے قرآن کی رخصت  
پر عمل کیا۔ اور بُت کا مسجدہ کر کے اپنی جان بچالی۔ سید نے عالم  
کی تقدیم کی، جب تھجڑے کی پاری آئی تو اس نے کہا میری تمام  
زندگی ناشائستہ کاموں میں گذری۔ میں نے عالم ہوں نہ سید کو ان  
میں سے کسی فضیلت کی پناہ میں الیسا کام کروں، اس نے قتل ہو جانا

۲۷۸  
لَا إِنْ تَقْتُلُوهُنَّ هُنَّ قَاتِلُوكُمْ (آل عمران، رکو ۲۳) مگر ایسی صورت میں کرم  
ان سے کسی قسم کا (قوی) اندریثہ رکھتے ہو۔

منظور کر لیا اور بت کا سجدہ نہیں کیا۔ میرا قصہ بھی اُسی ہجڑے کے قصہ سے مطابقت رکھتا ہے۔ میں تمہارے ہر قسم کے ظلم کو برداشت کروں گا۔ لیکن نہ دوبار میں حاضر ہوں گا اور نہ تمہارے ہاتھ پر بیعت کروں گا۔ بادشاہ کو سخت غصہ آیا اور شہر سے نکل جانے کا حکم دیا۔ شیخ نے بلا توقف اپنی جاتے خارکاندھے پر ڈالی، اور شیخ بربان الدین کے مقبرے میں جا کر ان کی قبر کی پائیتھی اپنی لاکھی کاڑ دی اور جاتے خازبچا کر بیٹھ گئے۔ اور کہا کہ اب کوئی مرد ہو تو مجھے اپنی جگہ سے ملائے۔ بادشاہ نے جب شیخ کی یہ عبودی اور استقامت دیکھی تو پیشان ہوا اور اپنے ہاتھ سے یہ مشرع کا غنڈہ پر لکھ کر صدر شریعت کے ہاتھ بھیجا رہا۔

”من زاں نوام تو اذ من باش“

شیخ نے فرمایا کہ اگر سلطان محمد شاہ غازی شریعت کے طور و طریق کی حفاظت و ترویج کی کوشش کرے اور مالک مخدوس سے شراب خانے کی قلم اٹھادے، اپنے باپ کی سنت پر عمل کرے اور لوگوں کے سامنے شراب نہ پئے، اور قضاۃ و حلماں و صدور کو حکم دے کر امر بالمعروف و نهیں عن المنکر میں سعی بیفع سے کام لیں۔ تو فیقر زین الدین سے بڑھ کر بادشاہ کا کوئی دوسرا دوست فخر خواہ نہ ہو گا۔ نچے یہ شعر اپنے قلم مبارک سے تحریر فرمایا۔

”تمان بنزیم بجز نکوئی نہ کنم جز نیک دل فنیک خونی نہ کنم“

آنہا کہ بجاۓ ابیریا کر دند شادست رمدنجن بنکوئی نہ کنم  
 (قرچتھ) جب تک جان میں جان ہے سوائے اچھائی نیک  
 دلی اور نیک خونی کے مجھ سے کچھ سرزدہ ہو گا جن لوگوں  
 نے ہمارے ماتھہ بڑائی کی۔ جب موقع لے گا ہم ان کے  
 ساتھ سوائے بھلائی کے کچھ نہ کر سیں گے۔

سلطان محمد شاہ اپنے نام کے ساتھ غازی کا خطاب دیکھ کر بہت  
 خوش ہوا۔ اور فرمان جاری کیا کہ القاب شاہی کے ساتھ اس کا بھی اضاف  
 کیا جاتے۔ قبیل اس کے کہ سلطان کی حضرت شیخ سے ملاقات ہو۔  
 سلطان نے مرہٹ واڑہ کی حکومت مند عالی خان محمد کے حوالہ کی  
 اور خود بد دلت گلبرگہ پہنچا اور شراب کی دکانوں کو اپنی پوری ہوت  
 سے ختم کر کے شریعت کی ترویج و اشاعت میں اپنی کوشش مبذول  
 کی۔ دکن کے چوروں و فضادیوں کو جو دور دو مشہور تھے اور  
 جنہوں نے رہزی کو اپنا سینیوہ بنایا تھا۔ ختم کرنے کا انتظام  
 کیا۔ چھرسات چینی کے اندر اندر ملک ان سے پاک ہو گیا۔ ایک  
 روایت کے مطابق چھینی کی مدت میں چوروں دہڑوں کے  
 بیس ہزار سرکاث کراطاف و حواب سے گلبرگہ میں لا تے گئے۔  
 سلطان اس عرصہ میں حضرت شیخ زین الدین سے برائے خط و کتابت  
 کرتا رہا۔ اور اخلاص و عقیدت کی راہ و رسم بڑھاتا رہا۔ شیخ  
 نے بھی اس کی ہمت افزائی، قدر دانی اور مدایات اور مشوروں

سے نہ بیغ نہیں کیا۔

چشتیوں کی بڑی بڑی خانقاہیں ہندوستان کے جن جھوٹوں اور صوبوں میں قائم ہوئیں۔ انہوں نے وہاں کی اسلامی حکومتوں اور سلاطین وقت کی رہنمائی اور اسلامی حکومت کی حفاظت و تقویت سے غفلت نہیں کی۔ بنگال کی مشہور عالم خانقاہ جو پہنچوہ میں تھی وہاں کی اسلامی حکومت کے لئے قوت اور پشت پناہی کا ذریعہ تھی۔ جب وہاں سے اسلامی اقتدار ختم ہونے لگا تو ان درودیوں نے اس کی فکر کی اور اس کو دوبارہ بحال کرنے کی امکانی کوشش کی یو پروفسیور خلیق احمد نظامی تاریخ مشارع چشت میں لکھتے ہیں۔

حضرت نور قطب عالم شیعہ علام الحق کے فرزند رشید تھے۔ جس زمانے میں وہ مسند ارشاد پر جلوہ افزود تھے بنگال کی سیاست بڑے نازک دور سے گذر رہی تھی راجہ کنس دجو بھور یہ ضلع راج شاہی کا جا گیر دار تھا۔ بنگال کے تخت پر قابض ہو گیا تھا اور مسلمانوں کی قوت کا خاتمہ کرنے پر تلا ہوا تھا۔ حضرت نور قطب عالم نے براہ راست

۱۔ تاریخ فرشتہ (جلد اول)، از ص ۴۲۵، از ص ۱۸۳۲-۱۸۴۰ء۔

۲۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ریاض السلاطین تاریخ بنگال تصنیف غلام حسین سیمیں ص ۱۱۷ عنوان سلطانیں راجہ کالنی زمیندار تا ص ۱۱۴۔

اور سید اشرف جہانگیر سرنا فی کی وساطت سے سلطان بابر یہم  
 شرقی کو بیکال پر حملہ کرنے کی دعوت دی، سید اشرف  
 جہانگیر کے مجوعے میں وہ لوپ خلوط خاص طور سے  
 مطالعہ کے قابل ہیں۔ جن میں اس سیاسی کنکاش کی  
 تفصیل درج ہے۔ سید اشرف جہانگیر نے جو خط حضرت  
 نور قطب عالم کے مکتب کے جواب میں لکھا تھا وہ  
 بیکال میں صوفیا نے کرامہ کے کارناموں پر کافی روشنی  
 ڈالتا ہے۔

ان چند واقعات سے جو تاریخ کے وسیع انبار میں سے "مشتے  
 نہود از خردارے" کے طور پر بغیر کسی تباہی ترتیب کے جمع  
 کر دیتے گئے ہیں۔ اندازہ ہو گا کہ مشائخ چشت کا تقوف محض  
 عزلت و خلوت نفس کشی اور ترک دنیا اور اقبال کے الفاظ میں  
 "سرینیری" اور "گوسنندی" ویشی "نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے اپنے  
 دور میں زمانے کے دھارے کو بدلتے اور حالاتِ زمانہ سے پنج  
 آزمائی کی بھی کوشش کی۔ جابر سلاطین کے روپ و کلمہ حق کہنے  
 ان کے غلط رسمیات کا مقابلہ کرنے اور ان کو صلاح و مشورہ دینے  
 سے بھی پس و پیش نہیں کیا۔ اور جب کبھی ان کے اولو العزم مشائخ

کو موقع ملا۔ انہوں نے اصلاح و انقلاب کی کوششوں سے بھی دریغ نہیں کیا۔

### اشاعتِ اسلام

سلسلہ چشتیہ کی بنیاد ہندوستان میں پہلے ہی دن سے اشاعت و تبلیغ اسلام پر پڑی تھی۔ اور اس کے عالی مرتبت بانی حضرت خواجہ عین الدین چشتیؒ کے ہاتھ پر اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے کہ تاریخ کے اس اندھیرے میں ان کا اندازہ لگانا مشکل ہے عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد کی کیفرت بہت کچھ حضرت خواجہؓ کی کوششوں اور روحانیت کی رہیں ملت ہے۔ ان میں سے ایک بڑی تعداد حضرت خواجہؓ کی روحانی قوت، اشراقی کمال اور عنان اللہ مقبولیت کے واقعات سے مسلمان ہوئی۔ اس وقت تک ہندوستان جوگ واشراقت کا ایک بڑا مرکز تھا۔ یہاں کے بہت سے فقیر و منیماں اشراقی افاد قلبی قوت میں بڑا کمال رکھتے تھے۔ ریاضت شاق اور مختلف مشقوں سے انہوں نے کشف و تصریف کی بڑی قوت بڑھا رکھی تھی۔ ان میں بہت سے لوگ اس نژوارہ مسلمان فقیر کے امتحان اور اس کو زک و دینے کے لئے اس کے پاس آتے تھے ان کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ یہ عزیز الوطن درویش ان سے اپنی قلبی قوت اور اشراقیت میں بڑھا ہوا ہے۔ اور ساحرین فرعون کی طرح ان

کو یہ اندازہ ہو گیا کہ اس کے کمالات اور قوتوں کا منع اور سرچشہ  
 پکھہ اور ہے۔ اسی کے ساتھ ان کے اخلاق کی پاکیزگی، صاف  
 سترھری زادہ اور بے طبع زندگی، ایمان و یقین کی قوت  
 خلق خدا کے ساتھ ہمدردی، اور بلا تفریق نمذہب و ملت انسان  
 سے محبت اور انسانیت کا احترام دیکھ کر مخالفین بھی معتقد اور  
 وشنی بھی دوست ہو سکتے۔ تذکرہ والقصوف کی کتابوں میں اس  
 سلسلہ میں جو گیوں و سینا بیوں کے ساتھ مقابلہ اور حضرت خواجہ  
 کی اشتراطی قوت اور کشف و تصرفات کے جو واقعات کثرت  
 کے ساتھ لقل کئے گئے ہیں۔ اگرچہ ان کو تاریخی مناسے اور تفہیم  
 ترمعاصر مأخذ کے ذریعہ ثابت کرنا مشکل ہے۔ لیکن ہندوستان  
 کے اس وقت کے ذوق و روحانی اور اجمیر کی دینی و روحانی مرکزیت  
 کو دیکھتے ہوئے یہ واقعات خلاف قیاس نہیں، اور اصل جس  
 چیز نے حضرت خواجہ کا گردیدہ اور اسلام کا حلقة بگوش بنایا۔  
 وہ تنہی ان کی قلبی قوت نہ تھی۔ بلکہ ان کی روحانیت، اخلاص  
 و اخلاق اور ان کا وہ طرزِ زندگی تھا جس کا ہندوستان کے  
 اہل فن اور عوام نے اس سے پہلے کبھی تحریر نہیں کیا تھا۔  
 خواجہ بزرگ کے اہل سلسلہ میں سے حضرت خواجہ فرید الدین گنج شاہ کو  
 کی کوششوں اور توجیہات کو اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں خاص  
 اہمیت حاصل ہے۔ ان کی مجالس اور خانقاہ میں ہر مذہب

وللت کے آدمی اور ہر طبقہ کے لوگ آتے تھے حضرت خواجہ  
نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں۔

بحمدہ مرتضیٰ شیخ الاسلام	حضرت خواجہ فرید الدین
فرید الدین از ہر	کی خدمت میں ہر صنف
جنس درویش وغیر	ذائق کے لوگ درویش
وغیر درویش پسختے تھے۔	آن بر سید۔

حضرت خواجہؒ کو اللہ تعالیٰ نے جو عالیٰ استعداد و قلبی قوت  
عطایا تھی۔ اس کے پیش نظر بعید نہیں کہ اشاعتِ اسلام میں  
وہ بھی میعنی ہوتی ہو۔ اور نو مسلموں کی بہت بڑی تعداد، ان کی  
روحانیت اور کشف و کرامات دیکھ کر مسلمان ہوتی ہو۔ پنجاب  
اور پاک پن کے اطراف میں بہت سی مسلمان برا دیاں اور  
خاندان اپنے اسلاف کے قبولِ اسلام کو حضرت خواجہ کی توجہ اور  
تبیغ کا نتیجہ سمجھتے ہیں اور اپنی نسبت ان کی طرف کرتے ہیں۔  
پروفیسر انڈر لارپنی کتاب (PRECHING OF ISLAM) میں لکھتے ہیں۔

پنجاب کے مغربی صوبوں کے باشندوں نے خواجہ پرہامنی  
تھانی اور یا با فرید پاک پن کی تعلیم سے اسلام قبول کیا۔

یہ دولل بزرگ تیرصویں صدی علیسوی کے قریب  
خاتمه اور چودھویں صدی علیسوی کے شروع میں گذرتے  
ہیں۔ بافاریہ شکر گنج کا نام کروہ جس مصنف نے لکھا ہے  
اس نے تحریر کیا ہے کہ ٹولو قوموں کو انہوں نے تقسیم  
و تلقین سے مشرف بالسلام کیا۔ لیکن انہوں ہے۔ اس  
مصنف نے ان قوموں کے مسلمان ہونے کا مفصل  
حال نہیں لکھا۔

حضرت خواجہ نظام الدین<sup>ر</sup> کو اہل ہند میں اشاعتِ اسلام  
سے بڑی دلپسی رکھی۔ لیکن وہ یہ سمجھتے تھے کہ محض تقریر اور کہنے  
ستے سے کسی شخص کا اپنے قدیم عقیدے سے ہٹانا اور نئے دین کو قبول کرنیا  
بالخصوص ہند و قوم کا، جو اپنی پختگی، قدامت پرستی اور ذات  
پات اور رچھوت چفات کی پابندی میں خاص امتیاز رکھتی ہے۔  
محض حسن تقریر اور وعظ و نصیحت سے مسلمان کرنیا آسان نہیں  
اس کے لئے ان کے لئے موثر و طویل صحبت کی ضرورت  
تھی۔

فوائد الفواد میں ہے کہ ایک غلام جو مسلمان تھا۔ حضرت کی  
 مجلس مبارک میں حاضر ہوا۔ اور اپنے ایک ہند و دوست کو اپنے

ساتھ لایا اور کہا کہ یہ بیبر اچھائی ہے۔ حضرت خواجہ نے اس غلام سے فرمایا کہ تمہارا یہ بھائی پچھے اسلام کی طرف بھی میلان رکھتا ہے؟ غلام نے عرض کیا کہ اس کو حضرت کے قدموں میں اسی لئے لایا ہوں کہ آپ کی نظر تکمیل اثر کی برکت سے یہ مسلمان ہو جائے۔ یہ شکر حضرت خواجہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ فرمایا کہ کسی کے کہنے سننے سے اس قوم کا دل نہیں پھرتا۔ ہاں اگر اس کو کسی نیک بندے کی صحبت میسر آ جاتے تو امید ہوتی ہے کہ اس کی صحبت کی برکت سے وہ مسلمان ہو جائے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس بچائش برس کے عرصہ میں جس میں حضرت خواجہ نظام الدین دہلی جیسے مرکزی مقام میں منصب ہدایت و ارشاد پر ٹھکن رہے۔ اور ان کی خالقہ کادر والازہ ہر انسان کیلئے کھلا رہا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان کے دور روزگاروں سے مختلف ضرورتوں اور تقریبوں سے لاکھوں کی تعداد میں غیر مسلم آتے تھے اور اپنی قومی خوش اعتقادی کی بناء پر حضرت خواجہ کی نیوارت کو بھی حاضر ہوتے تھے۔ بڑی تعداد میں لوگ مسلمان ہوتے۔ میوات کا علاقہ جو حضرت خواجہ کے مرکزی عیاث پور سے جامپ جنوب مقبلہ واقع ہے اور جہاں کے رہنے والوں کی رہنمی

اور شورہ پاشتی کی وجہ سے کچھ عرصہ پہلے سلطان ناصر الدین محمود کے زمانہ میں شہر پناہ دہلی کے دروازے سر شام ہی سے بند ہو جاتے تھے اور جن کی کمی بار عیاث الدین بلین کوتادیب کرنی پڑی۔ حضرت خواجہ کے فیوض و برکات اور ان کی تعلیم و تربیت کے اثرات سے ضرور مستفید ہوا ہو گا۔ اور عجب نہیں کہ اتنی بڑی تعصی میں میواتی اخھیں کے زمانہ میں مسلمان ہوتے ہوں۔

چشتی خانقاہوں نے اپنے اپنے خلفاء اثر میں بالواسطہ اور بلا واسطہ گرد پیش کی عیسیٰ مسلم آبادیوں کو اپنے اخلاق، روحانیت اور مساوات و اخوت سے جنس کی فضائی خانقاہوں میں قائم تھی ضرور متأثر کیا اور ان قوموں کو جو کشف و کرامات اور روحانیت سے خاص طور پر متأثر ہوتی ہیں اسلام میں داخل کرنے کا ذریعہ بنے۔ پنڈوہ کی چشتی خانقاہ اور احمد آباد گلگرد کے چشتی شاخے کے اثر سے عیسیٰ مسلموں کی ایک بڑی تعصی کا مسئلہ ہونا بالکل قرآنی قیاس ہے۔ گیارہویں صدی میں سلسلہ چشتیہ کے بجدد حضرت شاہ گلیم اللہ جہاں آبادی کو اشاعتِ اسلام کا بڑا اہتمام تھا۔ انہوں نے اپنے خلیفہ و حاتمین شیخ نظام الدین اور نگ آبادی کو جو خطوط نکھلے ہیں۔ ان میں جلد بجا اس کی تابکید دہبایت ہے۔ ان کے مرطاب العزیز اس سلسلہ میں بے چینی اور فکر کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

در آں کو شید کھو جو  
اس کی کوشش کرو کے  
اسلام و سیع گرد و ذکر اسلام کا دائرہ کسیع اند  
ایں کثیر کے  
اس کے حلقہ بخش کثیر ہوں۔

دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں۔

بہر حال کلمۃ الحق کو شید  
واز منطق تامغرب  
ہمہ حقیقی بر کنید۔

پدر و فیض خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں۔

”سیع نظام الدین صاحبؒ کی تبلیغی کوششوں کا نتیجہ یہ  
ہوا کہ بہت سے ہندو گردیدہ اسلام ہو گئے۔ بعض  
اپنے رشتہ داروں کے ڈر سے مسلمان ہونے کا اظہار  
نہیں کرتے تھے لیکن ول سے مسلمان ہو چکے تھے۔“  
شاہ علیم اللہ صاحب ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔  
”و دیگر مرقوم بود ہمیہ دیارام و ہندو ہائے دیگر بسیار درد  
بقدۃ اسلام در آمدہ اند، اما با مردم قبیلہ لوس شیدہ  
محی مانند“

۱۔ مکتوپاتاں کلیم، مکتوب نمبر ۶، ص ۴  
۲۔ ایضاً نمبر ۸، ص ۳۷

ساتھ ہی ساتھ اس چیز کو بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی شخص مسلمان ہونے کے بعد اپنے مسلمان ہونے کو غافل رکھے۔ مبادا بعد موت اس کے ساتھ وہ معاملہ کیجا جائے جو غیر مسلموں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

برادرِ من اہتمام نمایند کہ آہستہ آہستہ ایں امر حبیل از بطن  
بنظہور انجام دک موت در عقب است، مبادا احکامِ اسلام  
بعد از حملت بجانیارند و مسلمان حقیقت را بسو زاند  
دیارِ ام اگر خطے می تو نیز رخطے تو شیخ خواہ پشتہ

افتوس ہے کسی نے مشارع ہندوستان اور بالخصوص سلسلہ چشتیہ کے مشارع کی تبلیغی کوششوں کی تاریخ درود نہ اور بکری نہ کرنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ لیکن تمام مورخین کے نزدیک ہندوستان میں اشاعتِ اسلام کا سب سے بڑا ذریعہ صوفیاتے کرام و فقراءےِ اسلام ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ان سلسلیں اتفاقوں میں سلسلہ چشتیہ اور اس کے مشارع کو اولیت اور اہمیت حاصل ہے اور اس کام میں ان کا حصہ تناسب سے زیادہ ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین  
اویاں اور ان کے خلفاء

حضرت و اشاعت علم

اور اہل سلسلہ کو علم کی تحریک و تکمیل کا جتنا اہتمام تھا اس کا اندازہ  
 حضرت خواجہ فرید الدین ع کے مقولہ اور خود حضرت خواجہ نقشبندیہ  
 کے شیخ سراج الدین عثمان اور دی داغی سراج، بانی خانقاہ پنڈوہ  
 کے ساتھ روایہ ہے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے آن کو اس وقت  
 تک اجازت نہیں دی جب تک کہ انہوں نے علم کی تحریک و تکمیل  
 نہیں کر لی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ رشد و ارشاد اور درس و تدریس  
 اور علم کی اشاعت و ترویج دلوف اس سلسلہ کی تاریخ میں ساتھ  
 ساتھ چلتے رہے۔ اور یہ رفاقت دو اخھاطا تک قائم رہی۔  
 حضرت خواجہ کے ایک خلیفہ اجل مولانا شمس الدین سعیٰ تھے  
 جو اس عصر کے بہت سے علماء اور اساتذہ کے استاد تھے  
 شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کا مشہور شعر ہے۔ ۷  
 سَأَنْتُ الْعَلَمَ مَنْ أَهْيَاكَ فَقَاتَا

فَقَالَ الْعِلَّمُ شَمْسُ الدِّينِ يَحْيَىٰ

میں نے علم سے پوچھا کہ کہیں حقیقی حیات کس نے  
 بخشی، اس نے مولانا شمس الدین سعیٰ کا نام لیا۔

شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی ع کے مخصوص ارادت مندوں و  
 مدرسین میں قاضی عبدالحق بن رکندر کندری (م ۹۱۰ھ) ان کے شاگرد  
 رشید شیخ احمد تھانیسری (م ۸۲۰ھ) اور مولانا خواجہ دہلوی  
 (م ۸۰۹ھ) ہندوستان کے نامور ترین علماء اساتذہ اساتذہ

و مجددین علمیں سے ہیں۔ قاضی عبد المقتدر اور مولانا خواجہ  
کے شاگرد رشید الشیخ شہاب الدین احمد ابن عمر و ولت آبادی  
(م ۸۲۹ھ) فخر ہندوستان اور نادرۃ روزگار تھے۔ اور  
ملک العلام قاضی شہاب الدین کے نام سے ہندوستان کی علمی  
وتاریخ میں زندہ جاوید ہیں۔ ان کی شرح کافیہ دحیث رحہنڈی  
کے نام سے عرب و عجم میں مشہور ہوتی۔) کے مشیوں میں علامہ  
گازروی اور میر عیاث الدین منصور شیرازی جسی ملند شخصیتیں ہیں یہ  
دہی ہیں جن کی حلالت کے موقع پر سلطان ابراهیم شرقی نے  
پانی کا پیالہ بھر کر ان پرستے تقدیق کیا۔ اور دعا کی کہ ملک العلام  
میری سلطنت کی آبرو ہیں۔ اگر ان کی موت مقدر ہی ہے تو ان  
کے بجائے مجھے قبول کر لیا جائے۔

اسی سلسلہ کے ایک عالم جلیل مولانا جمال الاولیاء حنفی کو روی  
دم ۱۰۷۸ھ، جن کے نامور شاگردوں میں مولانا الطفت اللہ کو روی  
سید محمد ترمذی کا پیوی ایشیخ محمد رشید جو پوری اور ایشیخ یوسین بن ابی  
بیسے علامہ بکار و شیوخ عصر تھے مولانا الطفت اللہ کو روی کے شاگرد  
ہندوستان کے مشہور عالم مولانا احمد امیٹھوی عرف ملا جیون،  
قاضی علیم اللہ پوری اور مولانا علی اصغر قتوچی تھے جنہوں  
نے درس و تدریس کا ہنگامہ گرم رکھا۔ اور بڑے بڑے نامور  
عالم و مدرس ان کے حلقة درس سے تیار ہو کر لئے ٹیڈ والی مسجد

کا شہر آفاق دارالعلوم جس کے مندوشین حضرت شاہ پیر محمد الحنفی  
 (م ۱۰۸۵ھ) تھے اسی سلسلہ سے تعلیمی روحانی نسبت رکھتا تھا۔  
 خود درس نظامی (جس کی جہاں گیری مسلم ہے) کے بانی ملآنظام الدین  
 (م ۱۱۴۱ھ) اور ان کے نامور جاٹشین اور اہل خاندان ان اس  
 سلسلہ سے نسبت روحانی رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ عام  
 طور پر بھی مشائخ چشت کا علمی ادبی ذوق، تہجی اور علمی شفت  
 ایک تاریخی حقیقت ہے جو حضرت لوز قطب عالم حضرت جہاں گیر  
 اشرف سہنافی، حضرت شاہ کیم اللہ جہان آبادی کے مکتبات  
 اور پینڈوہ، گلبرگہ، ماںک پور، سلوون وغیرہ کی خالقا ہوں کی  
 علمی سرگرمیوں اور دلچسپیوں سے عیاں ہے۔

**حاتمہ کلام** قبل اس کے کو سلسلہ چشتیہ کی تاریخ کا  
 یہ صفوہ زندہ میں ختم کیا جاتے، ایک ملائی  
 حقیقت کی طرح اس کا اظہار ضروری ہے کہ زمانہ کے مرور و  
 انقلاب کے ساتھ اس سلسلہ اور اس کے بانیان کرام اور اسلام  
 عظام کی خصوصیتوں میں انحطاط و زوال رو نہ ہوا۔ تقوف و  
 روحانیت کی تاریخ بتاتی ہے۔ کہ ہر سلسلہ کا آغاز چذب قوی  
 سے ہوا۔ پھر اس نے سلوک اور آخریں رسوم کی شکل اختیار  
 کر لی۔ یہاں بھی جس سلسلہ کا آغاز ہشق، درد و محبت، زرد و ایثار  
 فقر و استغفار، ریاضات و نجابت اور دعوت و تسلیغ سے ہوا تھا۔

اس میں بہت دریج ایسی تبدیلی ہوئی کہ آخر میں اس کے نظام کے  
تین نمایاں عناصر ترکیبی رہ گئے۔

- ۱۱) وحدت الوجود کے عقیدے میں غلواس کی اشاعت  
کا انہماک اور اس کے پاریک واقعی مقام میں کا اعلان و تذکرہ۔
- ۱۲) مخالف سماع کی کثرت، وجود و قصہ کا زور۔
- ۱۳) اعراس کا اہتمام اور ان کی رونق و گرم بازاری جو شرعی  
حدود و قبود سے بے نیاز ہے۔

وہ اعمال و رسوم اور عقائد جن کی اصلاح کے لئے دین خالص  
کے یہ اولوالعزم داعی ایران و ترکستان کے دو دراز مقامات  
سے آتے تھے۔ خالقا ہوں کا ایسا دستور العمل بن گئے کہ عین مسلم  
آبادی کے لئے یہ ایک معتمد اور سوال بن گیا کہ اسلام اور دوسرے  
مذاہب میں (جن کی اصلاح کے لئے یہ مبلغین اسلام بخوبی کر  
کے تشریف لاتے تھے) علاجی کا فرق ہے؟ توحید کے لفظ کا استعمال  
اور دعوت توحید وجودی کے معنی میں محدود ہو کر رہ گئی بتت  
اور اپیاء شریعت جس پر ان مشائخ نے اتنا زور دیا تھا۔ اہل ظاہر  
کا شعار اور حقیقت ناشناسوں کی علامت بن کر رہ گیا شریعت  
و طریقت دُو الگ الگ کوچے تعلیم کئے گئے۔ جن میں نہ صرف  
معاشرت تھی۔ بلکہ تفہاد۔ مزامیر و آلات سماع جن کی مشائخ متقدین  
نے اتنی شدت سے مانافت کی تھی داخل طریق بن گئے۔ در دعشق

کی جنس جو طریقہ چشید کا سرمایہ تھا اس بانام میں ایسی نایاب ہوتی  
کہ طالب صادق کو حضرت سے کہتے ہوتے سنائیا کہ۔ حضرت  
وہ جو سختے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے۔  
فقر جو اس طریق کا فخر تھا۔ شانِ امیری اور شکوہ حضروی سے تبدیل  
ہو گیا۔

اس سب سے بڑھ کر انقلاب اور تاریخ کا ساخن ہے کہ  
جن بندگانِ خدا کا مقدارِ حیات ہی خدا کے سب بندوں کا سر دنیا  
کے تمام آستانوں سے اٹھا کر خداۓ واحد کے آستان پر جھکانا  
اور "ماسوی" میں اٹھے ہوتے اور پھنسے ہوتے دلوں کو نکال کر  
ایک خدا سے اٹھانا تھا اور جن کی دعوت اور زندگی انبیاء علیهم  
السلام کی زندگی کی تصویر اور ان آیات کی تفسیر تھی۔

**مَا كَانَ لِيَسْرِرُ أَن يُوقِّيَهُ** کسی بشر سے یہ بات نہیں ہو سکتی  
**اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْعِلْمَةَ** کہ اللہ تعالیٰ تو اس کو کتاب  
**وَالنَّبِيُّوْلَةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ** اور دین کی فہم اور بیوتِ عطا  
**كُوْلُوا عِبَادَاتِيْ صَنْدُونِ** فرماتے اور پھر وہ لوگوں سے  
**اللَّهُ وَلِكِنْ كُوْلُوا رَبَّا بَنِيْنِ** کہنے لگے کہ میرے بندے بن  
**بِمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ** جاؤ۔ خدا تعالیٰ کی توحید کو  
**الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ** چھوڑ کر لیکن وہ یہ کہنے کا کہ  
**تَذَرُّسُونَ وَلَكِيَامِ** تم لوگ اللہ والے بن جاؤ۔

أَنْتَ أَخْذُوا  
الْمَلِئَةَ وَالنَّيْتِينَ  
أَرْبَابًا أَيَّاً مُرْكَمْ  
بِالْكُفَّرِ بَعْدَ إِذَا نَتَمْ  
مَسْلِمُونَ۔

آل عمران ۴۸

بوجاس کے کشم کتاب الہی  
اور وہ لکھی سکھاتے ہو اور  
اور بوجاس کے کہ خود بھی اس  
کو پڑھتے ہو اور نہ وہ بات  
بتلاوے گا کہ تم فرشتوں کا اور  
نبیوں کو رب قرار دے لو بھلا  
وہ تم کو کفر کی بات بتلاویگا  
بعد اس کے کو تم مسلمان ہو۔

انقلاب زاد سے خود ان کی ذات مطلوب و مقصود اور خود ان کا  
آستانہ مسجد و معبود بن گیا۔

## محمد دین اسلام کے تجدیدی و دینی کارنالے

تصانیف مولانا ابوالحسن علی ندوی مذکوہ مصنف کتاب ہذا جو ہمارے

ادارے اور دوسری جگہ سے نشر ہوئیں اور ہمارے اسٹاک میں ہیں!

تاریخ دعوت و عزمیت : پاتنی جلدیوں میں کمل و مجلد میرکرہ الراکتب ۱۸۳/-

جلد اول : حضرت عرب بن عبد العزیز، شیخ عبدالقدور جیلانی، حسن بصری وغیرہ ۳۰/-

جلد دوم : حضرت امام ابن تیمیہ اور ان کے خاص کلام کے کارنالے ۳۵/-

جلد سوم : خواجہ سعین الدین چشتی و حضرت محبوب الہی نظام الدین اور شیخ شرف الدین یحییٰ

میری کے کارنالے ۲۸/-

جلد چہارم : تذکرہ حضرت مجدد الف ثانی امام ربانی اور ان کے خاص خلفاء ۳۰/-

جلد پنجم : تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے چاروں صاحبزادگان و خلفاء

کے کارنالے ۳/-

حضرت مولانا محمد ایاس رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی دینی دعوت

ایک امام دینی دعوت تحریک حضرت مولانا محمد ایاس کی تفصیل اور اس کے اصول

وقواعد ۵/-

سیرت سید احمد شہید : جلد اول - جلد دوم ہر جلد ۵۰/-

انسانی و نیا پر مسلمانوں کے عروج و وزوال کا اثر ۲۵/-

- تذکرہ مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی ۸/-

سوانح حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری وغیرہ ۲۰/-

منصبہ نبوت اور اس کے مالی مقام حاطین ۲۵/-



